شکوۂ قومِ مُستہام بجناب سیدنا مسیح علیہ السلام

یعنی

ارمغانِ دلِ صد پارۂ برق

سنہ ۱۹۳۰ء

موسوم بہ

تحفۂ کرسمس

منظومہ حضرت لال شاہ صاحب برق پشاوری

جس کی ابتدا میں حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام نے حضرت برق کے
بعض اشعار کی تلمیحات کی تشریح میں ایک مقدمہ لکھا ہے

اِن اوراق کو

مسلم مشن ووکنگ اینڈ لٹریری ٹرسٹ نے عیسائی اصحاب بطور تحفہ بھیجا
اسلئے اس نظم کا تاریخی نام "کرسمس کا منظوم تحفہ" رکھا گیا

دسمبر سنہ ۱۹ء

تصنیفات حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام

توحید فی الاسلام - سنگ مرواریدہ - ینابیع المسیحیت - ضرورت الہام
۱۲/ ۴/ ۸/ ۶/

رازِ حیات - مکالمات ملیہ - مطالعۂ اسلام - اسلام میں کوئی [illegible]
۱۴/ ۱۲/ ۱۳/ ۵/

مذہب محبت - ذراتِ عالم کا مذہب - اُسوۂ حسنہ - براہین
۱۲/ ۷/ ۸/ ۷/

روحانیات فی الاسلام - ہتنی بار حیات - یسوع کی الوہیت اور اسکی کامل انسانیت
۴/ ۶/ ۱۲/

اسلام اور علوم جدیدہ - صلائے نصرت اہل ہمت - ردِّ تناسخ - جہد للبقا
۴/ ۱۲/ ۳/ ۴/

تمدنِ اسلام حصۂ اول حصہ دوم - حریت صادقہ زیر طبع
۱۴/ ۴/

المشتہر

سکرٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ

عزیز منزل برانڈ[illegible] روڈ - لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

برادرانِ فی المسیح علیہ السلام۔ السلام علی من اتبع الھدیٰ!
سب سے اوّل تو خُدا کی جناب میں میری دُعا ہے۔ کہ جس دردِ دل اور خیر خواہی سے مَیں نے یہ چند اوراق ترتیب و تالیف کئے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ آپ کو شرح صدر کے ساتھ اس پیغام پر سوچنے اور غور کرنے کی توفیق بخشے۔ مَیں بظاہر اسلام کا ایک مُبلّغ اور مشنری ہوں لیکن مَیں نے اِس کام کو کسی پروفیشن کے لحاظ سے اختیار نہیں کیا۔ اِنسانی ہمدردی اور اُس کے ساتھ ایک اندرونی تحریک نے مجھے اپنی چلتی وکالت کو چھوڑنے پر

مجبور کیا - تاکہ جس بات کو مَیں حق سمجھتا ہوں - اُسے خلق اللہ تک پہنچا دوں - مَیں ۱۹۱۲ء میں انگلستان گیا - اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے - کہ وہاں کے لوگوں نے قدر و منزلت کے ساتھ میری باتوں کو سُنا - اور بعض نے میری صدا پر لبیک بھی کہا ۔

اِسی ضمن میں مجھے اپنے برادرانِ وطن بھی یاد آتے رہے مجھ پر اُن کے بھی کچھ حقوق ہیں - آج جو چند برسوں سے مَیں مبتلائے امراض ہوں - اور یہ دُنیا تو گذشتنی و گذاشتنی ہے - اسلئے مجھے خیال ہُوا - کہ مَیں مضمون زیر قلم پر کچھ لکھوں - اگرچہ کچھ سال ہوئے مَیں نے پہلے بھی اس قسم کی کوشش کی - لیکن میری دیگر مصروفیات نے مجھے ہندوستان میں اس فرض کی ادائیگی کے لئے پُورا وقت نہ دیا ۔

گو اِس وقت میری صحّت کی حالت بہت مخدوش ہے اور دو ہی ماہ گذرے - جب کثرت کے ساتھ میری چھاتی سے خون آیا - مَیں جلد ہی دارالبقاء کو جانیوالا ہوں لیکن یہ میری حالت ہی ہے مجھے

مجبور کرتی ہے۔ کہ میں اپنے فرض کے اس قرض کو جلد سے جلد اُتاروں
یہ تو حاکم الحاکمین ہی جانتا ہے۔ کہ میں اس تحریر میں کہاں تک
راستی پر ہوں۔ لیکن دلوں کے بھید جاننے والا یہ تو ضرور جانتا ہے،
کہ میں زیرِ قلم امور کو امانت و دیانت کے ساتھ صحیح سمجھ کر بیان کرتا
ہوں۔ اور میرا دل تعصّب سے پاک ہے۔ ممکن ہے۔ کہ میں غلطی پر ہوں
لیکن خدا تعالیٰ کو علم ہے۔ کہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں۔ وہ نیک نیتی
سے لکھ رہا ہوں +

میرے محترم اخوانو! یہ آواز ایک ایسے بسترِ مرض سے آرہی ہے،
کہ جس آزار سے شفا پانا بظاہر محال ہے۔ میں لبِ گور کھڑا ہوں
اور ممکن ہے۔ کہ یہاں سے جلد رخصت ہو جاؤں میں خوب جانتا
ہوں۔ کہ عنقریب میں نے کُل مناقشات کو چھوڑ کر خداوند کے
حضور حاضر ہوتا ہے۔ اور اگر میں غلط راہ پر قدم زن ہوں تو
اُسی کی جناب میں میں نے جواب دہی کرنی ہے۔ لیکن مجھے اپنی
صداقت پر کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں صحّت نیت اور خلق اللہ کے
فائدہ کیلئے کر رہا ہوں۔ اس قدر یقین ہے۔ کہ میں اس نازک حالت

میں بھی یہ سطور لکھ رہا ہُوں +

اس معاملہ میں اوّل تو مَیں نے اپنے ایک دوست سید علی شاہ صاحب برق پشاوری کو لکھا۔ کہ وہ ان باتوں کو نظم کر دیں۔ اُن کا دل بھی اِن امُور میں ہمدردی سے لبریز ہے۔ چنانچہ آغا صاحب نے میری اس عرض کو قبُول کر لیا۔ اگرچہ واقعات کا نظم میں لکھنا مشکل سے مشکل امر ہُوا کرتا ہے۔ لیکن حضرتِ برق نے اس کام کو نہایت خوبی سے سرانجام دیا۔ اور شاعرانہ انداز سے الگ رہے۔ مجُھے آپ کی نظم ازحد پسند آئی۔ ہاں اس کا کچھ حصّہ کسی قدر تشریح کو چاہتا ہے برق صاحب کے بعض اشعار میں تاریخی تلمیحات بھی ہیں۔ جن میں سیّدنا مسیح علیہ السّلام سے قبل کے بعض واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ اگر تو یہ نظم انگریزی زبان میں ہوتی تو کسی تصریح کی محتاج نہ ہوتی۔ واقعات مندرجہ نظم اس وقت مغرب میں ایک حد تک زبان زدِ خلائق ہو رہے ہیں۔ لیکن ہندوستانی دُنیا کیلئے یہ باتیں بالکل نئی ہیں۔ بلکہ ممکن ہے۔ کہ کسی مکرم دوست نے واقعات مندرجہ نظم کو جو خصوصاً مذہب اصنام سے تعلق رکھتے ہیں پہلے سُنا بھی نہ ہو۔ اس لئے مَیں نے

مناسب سمجھا۔ کہ نظم مذکورہ سے پہلے یہ چند سطور بطورِ تمہید و
تشریح لکھدوں ؂

مذہبِ اصنام یا پیگن ازم جیسے کہ آپ کو علم ہوگا۔
جنابِ مسیح کی بعثت سے بہت پہلے دُنیا کے بہت سے شمالی حصہ
کا مذہب تھا۔ یہ لوگ سب کے سب سُورج پرست تھے سُورج
کو خُدا یا خُدا کا بیٹا مانتے تھے۔ اور مُختلف مقامات پر مُختلف
ناموں تلے اُس کی پرستش کرتے تھے۔ سُورج کی مُختلف کیفیات
نے ان لوگوں میں مختلف عقائد اور تیوہار پیدا کر رکھے تھے۔
اس مذہب کے مُتعلق ایک دلچسپ فلسفہ کے مُوجد بھی تھے۔۔ جو
شمسی مذہب میں تو ایک اعلےٰ پایہ کے تخیل کا پتہ دیتا تھا۔ کیونکہ
اس کی بناء نیّرِ اعظم کی کیفیاتِ مختلفہ تھیں لیکن وہی فلسفہ
کلیسوی مذہب میں آکر ایک بے حقیقت امر ہوگیا۔ اسلئے
کہ اس کی تشریح میں جنابِ مسیح کی زندگی کا کوئی واقعہ پیش
نہ ہوسکتا تھا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السّلام کی پیدائش پر بحیرۂ رُوم
(میڈی ٹرینئین سی) ایک قسم کی جھیل سا بنا ہُوا تھا۔ اُسکے

اردگرد جس قدر ممالک تھے۔ وہ سب کے سب اسی مذہب (پیگن ازم) کے پرستار تھے۔ گویا حضرت آقاؑ ان مذاہب کے وسط میں پیدا ہوئے۔ اور میری تحقیق میں اس مذہب کی تعلیم نے آپ کے نام پر کے کلیسہ پر ابتدائی صدیوں میں ہی بہت کچھ اثر کیا۔ حتٰی کہ بقول قیصر ہیڈرین جو قسطنطین کا چچا تھا۔ اس وقت کے مُرَوَّجہ عیسوی مذہب اور مذہب پیگن (سورج پرستی) کی روایات و رسومات قریباً ایک تھیں۔ حتٰی کہ ان دونوں کی عبادات میں فرق کرنا بھی مشکل تھا۔ ایک مذہب کے پرستار بلا تامّل دوسروں کے معبد میں بغرض عبادت چلے جاتے تھے۔

میں خود ایک وقت کلیسوی (مروجہ مسیحی) مذہب کا شیدا تھا اور قریب تھا۔ کہ کسی کے ہاتھ پر بپتسمہ پاؤں۔ لیکن ایک بات میری راہ میں آگئی۔ یہ کوئی ۱۸۹۰ء سے لے کر ۱۸۹۳ء تک کے واقعات ہیں۔ جس بات نے علاوہ دیگر وجوہ کے مجھے اعلان عقیدہ سے روک دیا۔ اگرچہ اس وقت تو اسلامی عقائد

پر قائم رہنے کیلئے میرے سامنے بہت سی مضبوط سے مضبوط باتیں ہیں۔ لیکن جو بات ۱۸۹۲ء میں کلیسوی تثلیث کے خلاف مجھے کھٹکی۔ وہ ایک خاص قرآنی[1] دعوے کی بنیاد پر تھی۔ وہ بات ۱۹۲۲ء میں آکر مبرہن ہو گئی۔ چنانچہ ۱۹۲۳ء میں مَیں نے اس اپنی تحقیق کو بصورت کتاب انگلستان میں پیش کیا۔ اس کتاب کے جواب بھی لکھے گئے لیکن جو واقعات بر دو اسناد قدیمہ میں نے اپنی تصنیف میں لکھے۔ وہ آج تک محتاج جواب رہے۔ گو ۱۹۲۴ء میں اسی موضوع پر میں نے ایک کتاب ینابیع المسیحیت نام اردو میں لکھی تھی لیکن میں جلدی ہی ولایت چلا گیا۔ اور وہ کتاب آپ لوگوں میں کافی طور پر شائع نہ ہو سکی۔ یہ اوراق اسی کتاب کا ملخص ہیں۔ ہاں اگر آپ مزید تشریحات کو پسند کریں تو آپ مذکورہ بالا کتاب منگوا سکتے ہیں ؛

[1] وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ سورۂ توبہ آیت ۳۰ ترجمہ عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح ابن اللہ ہے۔ یہ اُن کے مُنہ کی باتیں ہیں۔ اپنے سے پہلے کے اہل کفر (یگن) کی نقل کرتے ہیں۔ یہاں قرآن کریم نے ایک زبردست انکشاف تحقیق کیا ہے یہی ایک کافی ثبوت ہے کہ قرآن کتاب اللہ ہے +

حاشا وکلّا آپ کی خدمت میں یہ تحریر میں اس لئے نہیں بھیجتا۔ کہ میں آپ کو تبدیلئ مذہب کی ترغیب دوں۔ آپ بیشک سیّدنا مسیح علیہ السّلام کے ارشادات کے علمبردار ہی رہیں۔ میں خود اُن کے خدّام میں سے ہوں۔ البتہ جن باتوں کو میں اُس عظیم الشّان خدا کے حقیقی مُرسل کے مناسب حال نہیں سمجھتا۔ بلکہ اُنھیں آپ کے مزیل شان سمجھتا ہوں وہ میں عرض کر دیتا ہوں۔ آپ بھی ان پر غور کریں ممکن ہے آپ کی سمجھ میں میری معروضات آجائیں۔ دُنیا میں لاکھوں مسیحی بھائی ایسے بھی ہیں۔ جو مسیحی تو ہیں۔ لیکن وہ میری طرح ان باتوں کے قائل نہیں۔ جو مغربی کلیسیا نے جناب مسیحؑ کے متعلق منسوب کر دی ہیں۔ سو آپ بھی غور فرمائیں۔ میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ ایّام طالبعلمی میں مجھے کلیسوی الٰہیّات مرغوب خاطر ہو گئیں۔ میں نے اپنے اس عقیدہ کے اظہار کے لئے ایک وقت آیندہ مقرر کر رکھا تھا۔ میرے بعض مسلم ہم جماعت بھی میرے میلان طبع سے واقف تھے۔ اغلباً کالج کا یہ چوتھا (B.A.) سال تھا

جب ایکدن میری توجّہ اس طرف منعطف ہوئی۔ کہ آیا جو باتیں
کلیسیا تعلیم کرتا ہے۔ وہ کہاں تک جناب مسیح کی تعلیم کردہ ہیں
اِس وقت تو یہ فقرہ ایک سرسری ریمارک سمجھا گیا لیکن جب
بعد میں کسی مُعلّمِ بائبل سے پرائیویٹ طور پر یہ امر دریافت کیا
تو اس نے اس امر کو تو تسلیم کیا لیکن ساتھ ہی یہ کہا کہ مسیحی کلیسیا
پولوس رسول اور دیگر مقدس پاپاؤں کے ذریعہ رُوح القدس
کی تعلیم سے بنا ہے۔ حیرت کی بات ہے۔ کہ جب پہلے دن میں
مُجدّدُ الوقت حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ الرحمۃ
کی خدمت میں حاضر ہُؤا تو اُن کو یہ علم تو بالکل نہ تھا۔ کہ میں
مسیحیّت کے ہاتھ قریب قریب تنگ چکا ہُوں۔ لیکن
آپ نے کلیسیائی تعلیم کی تردید فرمائی۔ اور جتنے دن میں
آپ کی خدمت میں رہا۔ یہی سلسلہ جاری رہا۔ اثنائے گفتگو
میں آپ نے خاص کر اس بات پر زور دیا۔ کہ کلیسیا جو تعلیم
کرتا ہے۔ وہ تو مسیح کی تعلیم نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو
توان باتوں سے تعلّق ہی نہیں۔ حضرت مرزا صاحب کے اِس

ارشاد نے میرے اسپ تحقیق کیلئے مہمیز کا کام دیا۔ اور میں جلد اس نتیجہ پر آگیا۔ کہ گو انجیل محرّف ہو تو بھی جناب مسیحؑ کے الفاظ مندرجہ انجیل، تعلیم کلیسیا کے مؤید نہیں۔ گو میرے بپتسمہ پانے سے رُک جانے کا پہلا ایک باعث یہی امر تھا۔ لیکن آج تو علیٰ وجہ البصیرت اور بلا خوفِ تردید میں کہتا ہوں۔ کہ جس کلیسوی تعلیم کا نام آج مسیحیت ہے اُسے ہمارے اُستاد جناب مسیح سے قطعاً کوئی تعلق نہیں +

میرے مکرم بھائیو! ہم نے زید و بکر کے لئے مذہب جیسی عزیز چیز کو اختیار نہیں کرنا۔ نہ اس لئے اسکی عزت کرنی ہے۔ کہ وہ ہمارے حکام کا مذہب ہے۔ یہ صحیح ہے۔ کہ آبائی مذہب کو چھوڑنا ایک امر شاق ہوتا ہے۔ گو آپ کا مذہب آبائی ہے۔ لیکن آپ کے باپ دادا یا اُن سے ایک نسل پہلے تو مسیحی نہ تھے۔ اُنھیں یہ مذہب پسند آیا۔ اُنھوں نے قبول کر لیا۔ اس طرح میں آپ سے عرض کرتا ہوں۔ کہ آپ بھی اس سوال پر غور کریں۔ ہمیں جناب مسیح سے تعلق ہے۔ اگر پولوس کی باتوں پر غور کرتے ہیں۔ تو اسلئے

کہ وہ مسیح کا رسول ہوگا۔ لیکن اگر یہ امر آپ کی سمجھ میں آجائے کہ جو باتیں پولوس رسول کے نام پر منسوب کی گئی ہیں۔ عام اس سے کہ وہ اُن کے مصنّف ہیں یا نہیں۔ وہ مسیحی تعلیم سے تو نہیں لی گئیں۔ بلکہ اُن کا سرچشمہ تو وہ مذہب ہے۔ کہ جسکے مٹانے کے لئے بقول کلیسیا سیّد ناصری (مسیح) تشریف لائے۔ علاوہ ازیں مروّجہ تعلیم کلیسیا میں جس کا نام مسیحیّت رکھا گیا ہے۔ بہت سی ایسی باتیں ہیں۔ جن کا خود پولوس سے بھی تعلّق نہیں۔ تو پھر کیوں اُنھیں جزو عیسائیت ٹھیرایا جائے اگر آپ کے نزدیک تاریخی طور پر یہ امر ثابت ہو جائے۔ کہ جو داستان مسیحیّت کلیسیہ نے تجویز کی ہوئی ہے۔ اور جس کا نام نئی زندگی رکھا ہے۔ جس کے سنگ بنیاد کو عہد نامہ جدید سے موسوم کیا گیا ہے۔ وہ الف سے یا تک کُل کی کُل حضرت مسیح سے ما قبل مذاہب کی داستان ہے۔ اور یہ وہ مذاہب ہیں جنھیں ہم اور آپ متفقہ طور پر پیگن ازم (مذاہب کفریات و اصنام پرستی) کہتے ہیں۔ اسی طرح میں عرض کرنا ہوں۔ کہ اگر یہ کُل کی کُل باتیں

اصنامی تعلیم میں قدیم سے چلی آئی ہیں۔ تو اُسے کیوں نیا عہد نامہ
کہا جاتا ہے۔ یہ تو وہی پرانی باتیں ہیں۔ جن کا نام آج
نئی زندگی رکھا جاتا ہے۔ میں نے ان اوراق میں بہت ہی کم بحث و
مُباحثہ میں پڑنا چاہا ہے۔ ہاں آپ کے غور کرنے کے لئے
میری عرض صرف اسی قدر ہے۔ کہ اگر مروجہ مسیحی عقاید ہُو بہُو
پیگن لوگوں کے تھے۔ تو جناب مسیح کی کیا ضرورت تھی۔ مثلاً
جس کفارہ کے لئے وہ تشریف لائے ایسے کفارہ تو کئی ایک
پہلے ہی سے موجُود تھے۔ اور اُن کی داستانیں بھی یہی ہیں۔
اور اگر آپ کے نزدیک مذہب اصنام صحیح نہیں تو جب پیگنوں
کی تعلیم اور کلیسوی تعلیم ایک ہی ہے۔ تو پھر جو فتوے
آپ تعلیم پیگن پر عائد فرماتے ہیں۔ وہ تعلیم کلیسیا پر کیوں
صادر نہ ہو۔

میرے محترمو! میری اِن باتوں سے آپ چنداں
ناراض نہ ہوں۔ سیدنا مسیح کے ساتھ آپ کے مقابل میرا کم تعلق
نہیں۔ اور وہی ذات پاک میرا اور آپ کا جائے ادب ہے۔

ہم آپ کے یکساں غلام ہیں۔ لیکن مشکل یہ آن پڑی ہے۔ کہ جن باتوں کو آپ اُن کے لئے باعثِ عزّت سمجھتے ہیں۔ میں اُنھیں ایسا نہیں جانتا۔ یہ میری بدقسمتی ہی سہی۔ لیکن جب میں اور آپ ایک ہیں۔ اور رُوحانی طور پر ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں۔ اور ہمارا نصب العین بھی ایک ہی ہے یعنی کہ مُنکرانِ مسیحؑ میں آپ کی عزّت پیدا ہو۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ ہم آپس میں ان وجُوہ کا فیصلہ نہ کر لیں۔ جو ہم میں اور آپ میں حضرت ممدُوح کے متعلق بالعکس نتائج پیدا کرتے ہیں۔ میرے دل میں تو یہ ایک بات زور سے کھٹکتی رہی ہے۔ اور اسی بات نے مُجھے پہلے دن عیسائی ہونے سے روک دیا۔ کہ کلیسوی تعلیم کا ماخذ وہ مُبارک وجُود نہیں۔ بلکہ کوئی اور ہے جو میری بعد کی تحقیق نے پیگن یا مذہب الحاد و کفر قرار دیا۔ میں انسان ہوں میں غلطی کر سکتا ہوں میں اِس بات کے ماننے کو تیار ہوں۔ کہ مینے اس اپنے استدلال میں غلطی کی ہو۔ لیکن کیا آپ کا فرض نہیں۔ کہ آپ میری باتوں پر غور کریں۔ اور میری اس غلطی کی اصلاح کریں۔

یہ صحیح ہے۔ کہ کلیسوی مذہب کی مختصری داغ بیل جناب پولوس کے مکاتیب نے لگائی لیکن اس مکان کی تعمیر تیسری یا چوتھی صدی میں آہستہ آہستہ مختلف کونسلوں کے ذریعہ ہوتی رہی۔ اتھونیشن عقاید بھی ایک کونسل نے ہی تجویز کئے۔ ایک کونسل نیقہ میں ہے۔ یہ سب راہبوں کا مجموعہ تھا۔ وہ کوئی مُلہم من اللہ تو نہ تھے۔ ہاں اس تعمیر کی آخری تکمیل قیصر رُوم قسطنطین کے وقت ہُوئی۔ یہ امر مُسلّم ہے۔ کہ قسطنطین اور اُس کی قوم سُورج پرست تھی۔ بلکہ کُل رومیوں کا مذہب ہی یہی تھا۔ قسطنطین گو سیاسی اغراض سے عیسائی تو ہو گیا۔ لیکن یہ بھی تاریخاً ثابت ہے۔ کہ اس نے عیسائی مذہب کے نام پر سُورج پرستی کو ہی قائم رکھا۔ اور اُسی اپنے آبائی مذہب کو ایک نئی شکل میں رواج دے دیا۔ مرتے دم تک اس کا سکہ بھی سُورج پرستوں کا سکہ رہا۔ اس سکّہ کے ایک طرف تو سُورج کی تصویر تھی۔ دوسری طرف ذیل کے الفاظ کندہ تھے:۔

Des Soli Invic to Mithra

(میں نہ مغلوب ہونیوالے متھرا (سُورج) کے نام پر اسے معنون کرتا ہوں)
دراصل قیصر مذکور کا مُربی و سرتاج اپولو (مظہر آفتاب) تھا۔
اس لئے وہ عیسائی تو ہُوا۔ لیکن اس نے مذہب متھرا (اپولو)
کی ہر ایک بات کو قائم رکھا۔ داستان متھرا تو قسطنطین کے
عیسائی ہونے سے پہلے مسیحی راہبانِ وقت نے وقتاً فوقتاً
تعلیم کلیسیا میں داخل کی ہوئی تھی۔ جیسے کہ جسٹن وغیرہ
راہبوں کی تحریر سے پایا جاتا ہے۔ لیکن قسطنطین نے آکر
جو کچھ بھی باقی تھا عیسائی مذہب میں لا داخل کیا۔ میں نے لکھا ہے
کہ اُس وقت روم ۃ الکبریٰ کا مذہب متھرا کا مذہب تھا
جس کے بڑے تاریخ مسلمہ واقعات کو میں ذیل میں لکھتا ہوں
مذہب متھرا کا آغاز ایران میں ہوا۔ حضرت زرتشت
کی مروجہ تحریرات میں بھی متھرا کا ذکر ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ
متھرا خُدا کا پہلوٹھا بیٹا ہے۔ جس سے دنیا پیدا ہوئی۔
حضرتِ زرتشت ایک قسم کی "تثلیث" کے بھی قائل تھے یعنی

اُن کی تثلیث کے تین اقانیم خُدا وند متھرا (سُورج) اور کائنات تھے۔ متھرا کا مذہب جناب مسیحؑ سے اکہتّر برس پہلے رومہ میں آگیا۔ جہاں سے کُل یُورپ میں یہ مذہب پھیلا۔ چوتھی صدی میں آکر کُل یُورپ میں اس مذہب کا اقتدار ہوگیا آج اس مذہب کے کھنڈرات آئرلینڈ میں پائے جاتے ہیں۔ ذیل کی چند سطور میں جناب متھرا اور اُن کے مذہب کے متمیز خط و خال کا بیان دیا جاتا ہے۔ آپ ازراہِ مہربانی داستانِ متھرا میں اور کلیسوی داستانِ مسیح میں تمیز کرنے کی کوشش فرمائیں +

داستانِ متھرا

جناب متھرا ایک کنوّاری کے بطن سے کسی پہاڑ کی کھوہ میں ۲۵ دسمبر کی رات کو پیدا ہوئے۔ آپ کنواری کے حمل سے پیدا ہوئے۔ بچپن میں آپ کچھ عرصہ غائب رہے۔ جوانی میں آپ تشریف لائے سلامت روی کے ساتھ آپ نے تلقین مذہب کی۔ آپ ہمیشہ سفر میں رہا کرتے۔ آپکے بارہ شاگرد تھے۔ آپکے پہلے معجزہ

کا تعلق شراب سے ہے۔ کچھ برسوں کی تعلیم کے بعد آپ نے یہ سمجھا کہ نسل انسانی تو گناہ سے نکل نہیں سکتی۔ مگر گناہ اور انکی سزا سے نجات میرے خون سے ہو سکتی ہے۔ چنانچہ آپ لطیب خاطر موت کیلئے طیار ہوئے۔ اور نسل انسانی کے گناہوں کو اپنے خون سے دھونے کیلئے آپ مذبوح ہوئے۔ عین اسی جمعہ کی سہ پہر کو جسے آج گڈ فرائڈے کہتے ہیں۔ آپ ذبح کئے گئے جمعہ کی شام کو ہی آپ قبر میں ڈالے گئے۔ دو دن آپ قبر میں رہے۔ اینتوار کی صبح کو آپ مردوں میں سے اٹھے۔ یہ وہی اینتوار ہے۔ جسے آج ایسٹر سنڈے کہ کر منایا جاتا ہے کیونکہ متھرا کے دوبارہ اٹھنے کے وہی ایّام تھے۔ جو ایسٹر (بہار) کے ہوتے ہیں۔ ایسٹر کے لفظی معنے بہار کے ہیں۔ آپکے دوبارہ زندہ ہونے پر خوشی کی گئی۔ آپ آسمان کو گئے۔ اور واپس آنے کا وعدہ کر گئے۔ آپ کی یاد میں دو تیوہار منائے جاتے تھے۔ ایک کرسمس اور ایک ایسٹر۔ آپ کے مذہب میں بپتسمہ کے ذریعے سے نئے مریدین داخل ہوتے تھے۔ آپ کے مندر میں (گرجا) ایک

حوض مُقدّس ہوتا تھا۔ جس کے پانی سے بپتسمہ دیا جاتا تھا
آپ کے مُریدین آپ کے واقعہ قتل کی یاد میں شراب اور روٹی
کو استعمال کرتے تھے۔ روٹی کی تقدیس ہوتی تھی۔ جیسے
آج ہم عشائے ربّانی کے نام پر اتوار کے دن دیکھتے ہیں۔
اس شراب اور روٹی سے مُتعلّق ہُوبہُو وہی عقیدہ تھا۔ جو
آج گرجا میں تقدیس یافتہ عناصر کے مُتعلّق سمجھا جاتا ہے۔
آپ کی عبادت کا دن اتوار تھا۔ آپ کی یاد میں بھیڑ کی شکل بنائی
جاتی تھی +

میرے دوستو! اس موقع پر میں ایک خاص عرض کرتا
ہُوں۔ اور اُسے آپ کے غور و فکر پر چھوڑتا ہوں۔ اگر
داستانِ بالا میں لفظ متھرا کی جگہ بالفرض مسیح رکھ دیا جائے
اور والدہ متھرا کا نام حضرت مریم صدّیقہ تجویز کیا جائے تو مجھے
تو ان دو داستانوں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا +

مَیں یہ تو تسلیم کرتا ہُوں۔ کہ حضرت مسیح کوئی قیاسی یا وہمی
ہستی نہ تھے۔ آپ کا وجُود مسعُود دُنیا میں آیا۔ وہ مریم کے بیٹے

تھے۔ بالمقابل میں یہ بھی تسلیم کر لیتا ہوں۔ کہ متھرا کا وجود ایک شاعرانہ تخیّل کا نتیجہ ہے۔ فی الواقعہ کوئی شخص اس نام کا دُنیا میں نہیں آیا۔ اس سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے۔ کہ داستانِ متھرا صرف تخیّل ہی تخیّل ہے۔ اور وہ حقیقی واقعات پر مبنی نہیں۔ بلکہ مختلف کیفیات آفتاب اس تخیل کا باعث ہیں۔ لیکن اس سے یہ تو لازم نہیں آتا۔ کہ جو واقعات جناب مسیحؑ کے متعلّق کلیسیا نے تعلیم کئے ہیں۔ اور جن باتوں کو مسیحی مذہب میں لا داخل کیا ہے۔ وہ متھرا کی داستان سے نہیں لئے گئے۔ تنقیح طلب امر تو یہ ہے۔ کہ یہ کلیسوی داستان کہاں سے آئی؟ آیا اس کا تعلّق حضرت مسیح کی زندگی سے ہے۔ یا سیّدنا مسیح کی پیدائش سے پہلے مغربی دُنیا میں یہ واقعات دائر و سائر تھے ۔

اِس داستان کے قریباً کُل کے کُل واقعات انجیل میں موجود نہیں۔ مثلاً کرسمس۔ ایسٹر۔ عشائے ربّانی کے متعلق اعتقادات۔ مذبح کا مشرق رُو ہوتا۔ حوضِ مقدس۔ عدم ضرورت

شریعت ۔ بپتسمہ کے وقت صلیب کا نشان ۔ پرستشِ صلیب
اتوار کا روز بطور سبت وغیرہ وغیرہ ۔ انجیل میں ان باتوں
کا نشان تک نہیں ۔ اور تو اور جناب پولوس بھی ان باتوں
سے نا آشنا ہیں ۔ ہاں انھوں نے گناہ اور نئی زندگی کے
فلسفے اور عدم ضرورت شریعت کو ضرور بیگنتوں کی مروّجہ تعلیم
سے لیا ۔ پولوس نے جناب مسیحؑ کی تصویر واقعاتِ انجیل سے
تو نہیں لی ۔ بلکہ انھیں ایک یونانی خدا کے رنگ میں ظاہر کیا۔
جو تحریریں آج پولوس کے نام پر مشہور ہیں ۔ وہ صرف اسی قدر
ذمّہ وار ہیں ۔ باقی کُل کے کُل امور مذاہب قبل مسیحؑ میں موجود
تھے ۔ جو پولوس کے بہت بعد مسیحیّت میں آ داخل ہوئے ۔ لیکن
میں عرض کرتا ہوں ۔ کہ اگر بالفرض یہ سب کے سب امور انجیل
میں بھی ہوں ۔ یا پولوس رسول کے خطوط میں ہوں تو امر تنقیح
طلب میں فرق نہیں آتا ۔ نہ اس سے حقیقت کی نوعیت بدل
جاتی ہے ۔ جب ساری کی ساری داستان اسی کے سارے نقوش
جناب مسیح کی پیدائش سے صدیوں پہلے ملّتِ بیگن کی رُوحِ رواں

ہُوں - اور یہی ان کا مذہب ہو۔ بالمقابل انجیل کی صحّت بھی مُشبہات سے خالی نہ ہو۔ جس امر سے آپ بھی واقف ہونگے مَیں یہ بھی کہتا ہوں۔ کہ اگر یہ اُمور بھی نہ ہوں۔ تو بھی جس صُورت میں یہ داستان ایک قدیمی افسانہ ہے۔ اور ایران سے چل کر میکسیکو تک ہر مُلک مغرب میں نام و مقام کی تبدیلی سے صدیوں پہلے موجود تھا۔ تو نتیجہ یہ نکلیگا۔ کہ انجیل نویسوں نے یہ باتیں پیگن مذہب سے لے لیں۔ جن کو آپ بھی الہامی نہیں جانتے۔ اور انجیل اس وقت لکھّی گئی۔ جب عیسوی مذہب تعلیم پیگن کے زیر اثر ہو چُکا تھا۔

میرے بزرگو! آپ طبعاً اس بات کے مُتمنّی ہونگے۔ کہ میں اُن حوالہ جات کا بھی ذکر کر دوں۔ جن کی بناء پر میں یہ لکھ رہا ہوں - یہ آپ کا مطالبہ صحیح ہے۔ ان باتوں کو میں نے اپنی کتاب

ینابیعُ المسیحیّت

مَیں بالتفصیل لکھ دیا ہے۔ اور ہر ایک بات کو بہ اسنادِ قدیمہ ثابت کیا ہے۔ یہاں بھی میں جستہ جستہ مقامات پر اُن کا ذکر کروں گا

لیکن میں ایک آسان سے آسان بات اس امر کے متعلق
آپ سے عرض کرتا ہوں ۔ جو آپ کے گھر کی بات ہے ۔ آپ تاریخ کلیسیہ
کا مُطالعہ فرمائیں ۔ جہاں ایک مقدّس وجود کا آپ ذکر پائینگے
اس کے نام سے آپ غالبًا واقف بھی ہونگے ۔ یہ بزرگ دوسری
صدی میں مشہور مسیحی متاد تھے ۔ آپ کا اسم گرامی جسٹن شہید
تھا ۔ اُس وقت کے رومی فرمانروا مذہبی امُور میں غیرجانبدار
رہا کرتے تھے ۔ وہ خُود تو سُورج پرست تھے ۔ لیکن رعایا کو نہ صرف
اپنے اپنے مذہب پر ہی رہنے دیتے تھے ۔ بلکہ ہر ایک مذہب کی عزّت
کرتے تھے ۔ ہر ایک مذہب کا مُطالعہ کرتے ۔ اکثر اُن کے معبد
بھی تعمیر کرا دیا کرتے تھے ۔ کاش کہ ہمارے حُکمران ان سے سبق لیتے
جہاں رومی سلطنت سے انگریزوں نے مذہبی رواداری سیکھی تھی
وہاں رومیوں کی باقی باتیں بھی اختیار کر لیتے تو شاید ہر دلعزیز ہو جاتے
الغرض قیصر روم اس اُٹھتے مذہب (عیسائیت) کے
حالات سے واقف تھے ۔ اس پر وقت کے قیصر نے جسٹن شہید سے
دریافت کیا ۔ کہ تمہارے مذہب میں کونسی بات ہے ۔ جو ہمارے

مذہب میں نہیں۔ جب دونوں مذاہب کی تعلیم ایک ہی ہے
تو پھر ہم کیوں نئے مذہب کو قبول کریں۔ شہید موصوف اِن
باتوں کا تو اِنکار نہ کر سکتے تھے۔ لیکن قیصر کے جواب میں
آپ کو ایک کتاب لکھنی پڑی۔ جو آج بھی موجود ہے۔ انھوں
نے اس کا نام اپیولوجیا (استغفار) رکھا۔ نام ہی کہتا ہے
کہ انھوں نے قیصر کے الزام کو تسلیم کر لیا۔ ہاں اس کی تشریح
کی فکر میں لگ گئے۔ یہ ہمارا زمانہ تو تھا نہیں۔ کہ پُرانی
قبریں کھودی جاتیں۔ یا ایسی کتابوں کا حوالہ دیا جاتا۔ جو
لاطینی یا یُونانی میں نہیں۔ یہ تو درم نقد معاملہ تھا۔ متھرا کا
مذہب زندہ اور موجود تھا۔ اس مذہب کی روایات اور
عقاید۔ طریق عبادات سب زندہ موجود تھے۔ اس طرف
عیسائی تعلیم جدید تھی۔ اسلئے جناب جسٹن یہ تو نہیں کہہ سکتے تھے
کہ قیصر کی بات غلط ہے۔ انھیں ماننا پڑا کہ ان کا جو کچھ بھی
مذہب ہے۔ وہ سارے کا سارا متھرا کے مذہب میں موجود ہے
اور یہ بھی تسلیم کرنا پڑا کہ مسیحی داستان آج کی نہیں بلکہ صدیوں

چلی آئی ہے - جسٹن نے لتشریحاً یہ کہا - کہ صدیوں پہلے جب ملاء اسعلےٰ (فرشتوں) میں ایک زبردست صداقت (بعثتِ مسیح) کا چرچا ہورہا تھا - اس چرچے کی اطلاع شیطان کو مل گئی - اور آہستہ آہستہ وہ ان واقعات سے بھی واقف ہوگیا - جو آنے والی صداقت کے متعلّق ظاہر ہوتے تھے - چونکہ شیطان ہمیشہ صداقت کا دشمن رہا ہے - اس لئے صداقت آیندہ کو مشتبہ کرنے کے لئے اُس نے پہلے سے ہی ہر ایک مُلک میں اس داستان کو پھیلا دیا - اور ہر جگہ ایک جھوٹا مذہب بناکر اس داستان کو متعلّقہ صاحبِ مذہب کی داستان کے ساتھ وابستہ کردیا +

پیارو! کیا اب کسی اور حوالے کی ضرورت ہے - جسٹن ایک مُسلّمہ شہادت ہے - اُنھوں نے تسلیم کرلیا - کہ یہ داستان قدیمی ہے - لیکن اس کا مجوّز شیطان ہے - ہاں وہ یہ کہتا ہے - کہ شیطان کی اس تجویز کردہ داستان نے جنابِ مسیح کی ذات میں

حقیقی واقعات کا رنگ اختیار کر لیا۔ میں نہایت افسوس کے
ساتھ یہ اعتراف کرتا ہوں۔ کہ جسٹن کی یہ منطق میری سمجھ
سے بالا ہے۔ میرے نزدیک تو مرنا کیا نہ کرنا کے مصداق
جسٹن ہو گئے۔ ہاں آپ فیصلہ کریں۔ کہ اس داستان کا
ماخذ کیا ہے۔ خصوصاً جبکہ انجیل اس کی حامل نہیں۔ اور تعلیم
کلیسیہ میں ان باتوں کا ظہور بعد میں ہوا۔ اب میں جسٹن
کے الفاظ کا کچھ حصہ یہاں درج کر دیتا ہوں +

"رسولوں نے جو تفسیریں لکھیں، جنہیں ہم انجیل کہتے ہیں،
اور وہ ہم تک پہنچی ہیں،۔ ان میں مسیح رسولوں کو حکم دیتا ہے
پھر اس نے (مسیح نے) روٹی لی اور خدا کا شکر کیا، اور کہا کہ
اس بات کو میری یاد میں کرتے رہنا، یہ میرا جسم ہے۔ پھر اس نے
پیالہ پیا، اور شکر ادا کیا اور کہا کہ یہ میرا خون ہے اور پیالہ
اُن کو دیا،۔ یہ ساری باتیں خبیث روحوں نے متھرا کے پرستارو
کو سکھلادی ہیں،۔ اور متھرا کی یاد میں اور اس کی پرستش میں
ہو رہی ہیں،۔ پھر مسیح کی پیدائش کا جو طویلے میں ہوئی، حوالہ دیتے

ہوئے یہی راہب لکھتا ہے۔ کہ "بیشک مسیح کی پیدائش اسی دن ہوئی ہے، جس دن طوبلٹہ ادجین میں سورج پیدا ہوا، بلکہ مسیح کی پیدائش جو طویلہ میں ہوئی، تو یہ دراصل متھرا کی پیدائش کا نمونہ ہے۔ جو زرتشتی غار میں ہوئی"۔ جسٹن کی مراد یہ ہے۔ کہ جس مقام پر سیدنا مسیح پیدا ہوئے۔ یعنی جس اصطبل کی چرنی آپ کا مولد بنی وہ دراصل وہی اصطبل تھا جہاں سورج کے ایک مظہر ایڈونس کا پیدا ہونا بیان کیا جاتا تھا۔ اصل بات تو یہ ہے۔ کہ نہ تو حضرت کی تاریخ پیدائش کا پتہ چلتا ہے۔ نہ کسی کو اس مقام کا علم ہے۔ جہاں ابن مریم پیدا ہوئے۔ سورج پرستی کے آثار مٹانے اور اس کا مکمل قائمقام مسیحیت کو بنانے کیلئے جہاں پیدائش کی تاریخ وہی رکھی گئی۔ جو ولادت آفتاب کی تاریخ خیال کی جاتی تھی۔ یعنی ۲۵ دسمبر۔ ویسے ہی ناصرہ کے قریب اتفاقاً وہ مقام تھا جہاں سیریا کا مظہر آفتاب یعنی ایڈونس کا پیدا ہونا تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس مقام پر ایک

مندر بھی تھا۔ جو مولد ایڈونس ہوتے کے باعث زیارت گاہ بن چکا تھا۔ اسی مقام کو آقائے نامدار سیدنا مسیح کی لاونگاہ مشہور کر دیا گیا۔ سورج کی ولادت گاہ کا اصطبل تجویز ہونا بھی شمسی عقاید کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اہل تنجیم مانتے ہیں کہ پیدائش سورج کے دن عین زمین کے نیچے برج جوزہ کے ستاروں کی پیٹی نظر آتی ہے۔ برج جوزہ کا ایک نام اصطبل اوجین ہے۔ جو بقول جسٹن مسیح کی پیدائشگاہ تھی۔ کیا عجب تماشا ہے۔ کہ اس پیٹی کے ستاروں کے اعداد بھی تین ہیں۔ ان تین ستاروں کا نام تین بادشاہ ہیں (کتبیا اور سن گوڈ مصنفہ ریورنڈ پارسنز صفحہ ۱۴۸ و ۱۵۰)۔

یہ باتیں قبل از مسیح کتب تنجیم میں لکھی ہوئی موجود ہیں۔ کہ سورج اصطبل (برج جوزہ) میں کنواری کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے جسمیں تین بادشاہ موجود ہوتے ہیں۔ اس سے سمجھ نہیں آتی کہ کیوں مسیح کی پیدائش اصطبل میں ٹھیرائی گئی۔ اور انکی پیدائش پر کون سے تین بادشاہ ہیں۔ اور وہ کس کنواری کے حمل سے اُس

تاریخ کو پیدا ہوئے۔ ممکن ہے کہ میں ان نتائج کے نکالنے میں غلطی پر ہوں۔ لیکن یہ آپ کا بھی فرض ہے۔ کہ اس میری دقّت کو حل کریں۔ میں آپ کا ہموطن بھائی ہوں۔ اور خدا شاہد ہے کہ ذرا بھی مُتعصّب نہیں۔ ورِلّا ایک لفتّادوا قعات تاریخ اسی نتیجہ پر آئیگا۔ کہ جس طرح کلیسیا کو بُرج سُنبلہ (کنیا) نے سُورج کا بطن [1] باکرہ سے پیدا ہوتا سمجھایا۔ اسی طرح مذکورہ بالا ستاروں کی ہیٹی نے پیدائش کے وقت تین بادشاہوں کا پیدا ہوتا تجویز کرایا۔ تصنیف کُتب تنجم قدیمی کے وقت دسمبر میں سُورج سنبلہ زمین کے قریب ہوتا ہے۔ پیدائش مسیح کا ذکر کرتے ہوئے سینٹ آگسٹس

---

[1] ان روایات میں دو تاریخیں متمیز ہیں۔ ایک وہ دن جس وقت شمالی کرۂ زمین میں سورج اپنی تمازت اور روشنی میں بڑھنے لگتا ہے یا بالفاظ دیگر دن بڑا ہونے لگتا ہے یہ وہی ۲۵ دسمبر کا دن ہے جس کا آغاز ۲۴ دسمبر کے بعد کی نصف رات کے بعد شروع ہوتا ہے وہی وقت متھرا اور دیگر سُورج دیوتاؤں کی پیدائش کا دن ہے۔ یہی وہ وقت ہے جب افق مشرق پر بالکل اُن ستاروں کا جُھنڈ (خوشۂ پروین) نظر آتا ہے جو برج سنبلہ یا برج کنیا سے وابستہ ہیں۔ یہی وہ وقت ہے جب سُورج کی پیدائش کا دن منایا جاتا تھا۔ اور بعض شماسی قوموں میں پرستار بول اُٹھتے تھے۔ کہ کنواری نے بچہ جنا۔ یہ باتیں مسیح سے پہلے دُنیا میں موجود تھیں میں اوپر لکھ آیا ہوں۔ کہ مصری نقشہ بروج میں سنبلہ یا کنیا کے محاذ میں ایک کنواری بچے کو گود میں لئے ہوئے کھڑی ہی دکھائی دیتی ہے۔ بعض

بھی کسی قدر فخر کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ ہم کرسمس کے دن کو
کفار کی طرح نہیں مناتے۔ جو ان کے ہاں پیدائش کا دن ہے
بلکہ ہم تو اس دن کو اسلیئے مناتے ہیں۔ کہ اس دن سورج کا
پیدا کرنیوالا پیدا ہوا"۔ سینٹ مذکور جو چاہیں کہیں لیکن یہ تو
تسلیم کر لیا۔ کہ ۲۵ دسمبر سورج کی پیدائش کا دن قدیم الایام سے
سمجھا جاتا تھا۔ سینٹ ٹرٹولین بھی جسٹن کی طرح بہ الفاظ
ذیل شہادت دیتے ہیں۔ کہ عشائے ربانی بپتسمہ وغیرہ۔ جو کچھ
ہم کرتے ہیں۔ وہ سب رسمیت شماسی تھیں۔ اور قدیم سے چلی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۔ مصری نقشہ جات میں باکرہ آئی سس کو دکھلایا
گیا۔ جو ہورس کو لئے کھڑی ہے میں یہ دکھلا سکتا ہوں۔ کہ مریم اور بچے والا
بُت آئیسس اور ہورس کی ہی نقل ہے + اسکے متعلق منجمانہ تحقیق
یہ ہے۔ کہ شمس پرستی کے قدیمی ایام میں پیدائش سورج کے دن عین نیم شب میں کے نیچے
بُرج جوزہ والے ستارے نظر آتے تھے۔ برج جوزہ کا نام اصطبل
او جیس ہی تھا (کتاب آدرسن گوڈ صفحہ ۱۴۸) بُرج جوزہ کی بیٹی کے ستارے بھی عدد
میں تین ہی ہیں۔ ان تین ستاروں کا نام یونانی کتابوں میں تین بادشاہ رکھا گیا ہے (ایضاً
صفحہ ۱۵۰) الغرض سورج اور مسیح کی پیدائش کے وقت شمس پرستوں کے سر میں کنواری
کا خیال تو برج سنبلہ نے دیا۔ اور ولادت گاہ کا خیال بُرج جوزہ نے جسکے ہمراہ تین بادشاہ
۲۵ دسمبر کی صبح کو نظر آتے ہیں عیسائی اصحاب جو پسند فرمائیں تشریح کر لیں +

آتی تھیں۔ وہ الفاظ یہ ہیں :-

شیطان کا تو کام ہی صداقت کو روکنا ہے۔ چنانچہ عشاء ربانی کی ہوبہو نقل وہ اپنے بتوں کے متعلق کراتا ہے۔ وہ اپنے پیروؤں کو بپتسمہ بھی دیتا ہے۔ اُن سے وعدہ کرتا ہے۔ کہ مقدس حوض (جس کے پانی سے بپتسمہ دیا جاتا ہے) سے اُنھیں گناہ کی معافی ملیگی۔ بپتسمہ کے ذریعہ وہ انھیں مذہب متھرا میں داخل کرتا ہے۔ اسی طرح اُن کی پیشانی پر نشان کرتا ہے۔ روٹی کی تقدیس بھی کرتا ہے۔ دوبارہ جی اُٹھنے کا بھی ایک نشان قائم کرتا ہے۔ یعنی اپنے پرستاروں کو پانی سے بپتسمہ دیکر اُنھیں گناہوں سے پاک کرتا ہے۔ وہ حکم دیتا ہے۔ کہ اُس کے بڑے پادری تو ایک شادی کریں۔ لیکن اُس کے ہاں کنواریاں بھی ہیں۔ اور راہب بھی ہیں +

اب آپ خود ہی غور فرمائیں۔ کہ یہ باتیں تو میں نے قبل مسیح کُتب سے نہیں لیں۔ یہ واقعات تاریخی کلیسیا میں موجود ہیں۔ پھر جس پاپہ کے یہ بزرگ ہیں۔ اس سے بھی آپ واقف ہیں۔ ان راہبوں کی

شہادت سے یہ تو ثابت ہو گیا۔ کہ جو کچھ آج گرجا میں ہوتا ہے وہی **اپولو** اور **متھرا** کے مندر میں ہُوا کرتا تھا۔ حتّٰی کہ روزِ عبادت بھی اینوار ہو گیا۔ جو چوتھی صدی تک نہ تھا۔ جنابِ مسیحؑ تو ہفتہ کے دن سبت کیا کرتے تھے۔ سبت تو شنبہ کا ہی نام ہے۔ اور اینوار تو سورج دیوتا (ایت) کی پرستش کا دن ہے۔ چنانچہ اسی لئے انگریزی میں اسے سنڈے یعنے سورج کا دن کہتے ہیں ❋

جن لوگوں نے مذہب کو ہر دلعزیز کرنے کے لئے سبت جیسے تاریخًا مقدس دن تک کو بدل ڈالا۔ کہ جس دن کی تعیین اور اُس کی فرضیّت خود خُداوند نے کتابِ خروج میں بیان فرمائی اور جس پر حضرتِ مسیحؑ سمیت کُل انبیاء علیہم السّلام وعلےٰ نبینا کا عمل رہا۔ جب قدیمی پاپاؤں کی مصلحتِ وقتی نے ایسے دن کو بدل ڈالا۔ جس پر آج سولہ ۱۶۰۰ سو برس گذر گئے۔ حتّٰی کہ نصرانیوں کی یاد میں مسیحؑ کا روز سبت (شنبہ) نسیًا منسیا ہو گیا تو اُن سے اَور کیا توقع نہیں ہو سکتی۔ ان لوگوں نے مسیحی مذہب کو

شماسی قالب میں ڈھالنے کے لئے کیا کچھ نہ کیا ہو گا۔ مثلاً
مسیحی مذہب میں کبھی منکس (تارک) اور ننس (تارکین) نہ ہُوا
کرتی تھیں۔ وہ بھی مذہب متھرا سے ہی تشریف لے آئیں
اور آج تک کیتھولک مذہب میں موجُود ہیں +

صلیب کا نام و نشان چوتھی صدی تک کسی کلیسیا میں
نہ تھا۔ تصویری نشان کے طور پر دوسری تیسری صدی میں مچھلی
کی شکل عیسائی روایات میں نظر آتی ہے۔ جیسے کہ سینٹ
کلیمنٹ کی کتاب سے نظر آتا ہے۔ ہاں صلیب شمسی مذہب کا
ایک پُرانا نشان تھا۔ جیسا کہ میں آگے چل کر لکھوں گا۔
قسطنطین نے ایک دن اپنا ایک خواب بیان کیا۔ کہ میں نے
آج رات صلیب کو آسمان پر دیکھا۔ جس پر جناب مسیح آویزاں
تھے۔ اُس دن سے مسیحی دُنیا میں صلیب اور اس پر جناب
مسیح لٹکتے ہُوئے نظر آتے ہیں۔ حالانکہ صلیب اور اس پر
سُورج دیوتا کا آویزاں ہونا شمسی مذہب کی پرانی روایات
میں سے ہے۔ جیسے کہ آئرلینڈ کے کھنڈرات سے آج ثابت ہُوا

قسطنطین نے اگر خواب بھی دیکھا تو یہ تو وہی اپولو (سورج) کا صلیب پر ہونے کا نقشہ تھا۔ جس کو وہ اپنے قدیم مذہب کی تصاویر میں کئی دفعہ دیکھ چکا تھا۔ قسطنطین تو قدیمی پرستار صلیب تھا اس نے آخر اسے بھی نئے مذہب میں لا داخل کیا۔ ان امور کو میں نے کسی قدر تفصیل کے ساتھ صلیب کے عنوان تلے لکھا ہے +

آج تو صلیب عبادت کی چیز بن گئی ہے لیکن جسٹن اور اُن کے ہمپایہ تو اُسے بُت پرستوں کی ایک چیز سمجھتے تھے اور اس کا ذکر نفرت اور طنز کے ساتھ یہ لوگ اپنی تحریروں میں کرتے ہیں +

اِن امور کے علاوہ اگر آپ نے اپولو کا مندر آج بھی دیکھنا ہو تو رومن کیتھولک کا کوئی کتھیڈرل دیکھ لیجئے اس کی ہر ایک چیز عمارت کی ہر ایک جُزو اپولو کی مندر کی یادگار ہے۔ سب سے نمایاں بات جو اپولو یا متھرا کے مندر میں تھی۔ وہ مذبح کا مقام تھا۔ جہاں پیر معبد یعنی سورج پرستوں کا

امام کھڑا ہو کر سورج کی یاد میں مشرق رُو عبادت کر سکے۔
جنابِ مسیح نے تو کبھی مشرق کو اپنا کعبہ نہیں بنایا۔ چوتھی صدی
تک کسی نے عبادت کے وقت مشرق کی طرف مُنہ نہیں کیا
یہ مشرق رُو مذہب قسطنطین کے وقت سے ہے۔ خواہ آج
اُس کی کوئی تشریح کی جائے میں نے بخوفِ طوالت اِن رسومات
مختلف کا ذکر نہیں کیا۔ جن کا تعلق جنابِ مریم سے ہے۔ یہ رسومات
اور اُن کے متعلق تیوہار کل کے کل بقید تاریخ پیگن پرستوں
سے لئے گئے۔ ان ایام میں کیتھولک وہی کرتے ہیں۔ جو پیگن
کیا کرتے تھے۔ جب پراٹسٹنٹ لوگوں نے پرستش مریم کو چھوڑ دیا
تو اُسکے ساتھ ان تیوہاروں کو بھی چھوڑ دیا۔ اگر ان سب کو
بہ ہیئت یکجائی دیکھا جائے۔ تو کیوں مسیحیّت کو کلیسی شکل میں
پیگن ازم نہ کہا جائے؟
بات یہ ہے۔ اور آپ خود بھی برائے خُدا ان واقعات پر
غور کریں۔ اور فرمائیں کہ ہم اسکے سوا اور کیا نتیجہ نکالیں قسطنطین
نے عیسائی مذہب تو اختیار کر لیا۔ لیکن نئے مذہب میں صرف

معبود کے نام کو بدل ڈالا۔ باقی کُل کے کُل قدیمی مذہب کو قائم رکھا۔ جو آج مسیحیّت بن گیا اپولو سے بھی پہلے سورج کے کئی ایک مظہر (اوتار) وقتاً فوقتاً مختلف ممالک میں ظاہر ہو چکے تھے۔ اور شماسی دُنیا کے معبود بنے تھے۔ جیسے کہ خود روما میں متھرا کا قائمقام اپولو تھا۔ اب اگر چوتھی صدی میں یسوع نے اپولو کا اوتار لیلیا۔ تو پھر یہ تو شمسی روایات کے عین مُطابق تھا۔ مسیحیّت کو کفار قدیمہ میں ہر دلعزیز بنانے کا یہ بہترین طریقہ تھا۔

مُکرم بھائیو! جنابِ مسیح کا مُبارک وجُود مجھ میں اور آپ میں ایک واسطۂ اتّحاد ہے۔ مَیں اُسی سیّد محترم کے نام کا آپ کو واسطہ دیتا ہوں۔ آپ میری ذیل کی باتوں پر غور کریں۔ مثلاً

(۱) اتوار کے دن سبت کا ہونا (۲) مذبح کا مشرق رُو ہونا (۳) صلیب کی تقدیس اور اُس کا نشانِ مذہب ہونا (۴) مُقدس حوض (۵) عقیدہ مُتعلق عشاءِ ربّانی وغیرہ وغیرہ۔ چوتھی صدی

سے پہلے تو یہ باتیں عیسوئیت میں نہ تھیں۔ یہ سب کی سب باتیں
پیگن مذہب کے شعار میں تھیں۔ نہ ان باتوں کی حامی تعلیم مسیح ہے
اور نہ کسی رسُول کی تحریر سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ ہاں کلیسوی
تعلیم کی رُو سے یہ باتیں بعد میں مسیحیّت کی جُزو لازمی بن گئی ہیں
کیا ان سے قدیمی سُورج پرستی ثابت ہوتی ہے۔ یا جناب مسیح
سے عقیدتمندی ظاہر ہوتی ہے۔ بقول ریورنڈ پارسنز "ہم مسیح کو تو
نہیں پُوجتے۔ بلکہ ہم سورج کو پُوجتے ہیں"۔ ریورنڈ پارسنز
انگلستانی کلیسیا کے ایک مُعزّز رُکن تھے۔ گرجا کے پادری تھے آخر قدیمی
کتب کے مُطالعہ نے ان پر یہ باتیں ظاہر کر دیں۔ کوئی چالیس سال سے
زائد عرصہ گُذرا جب اُنھوں نے ایک کتاب لکھی جس کا نام اُنھوں نے
"ہمارا سُورج خدا" رکھا (Our Sun God)۔ اور اسمیں نہایت
درد سے یہ لکھا۔ کہ ہم مسیح کو تو نہیں پُوجتے۔ ہم تو سُورج کو پُوجتے
ہیں۔ نہ ہمارے گرجے مسیح کے معبد ہیں۔ یہ تو سُورج پرستی کے
مندر ہیں۔ جن میں کُل رسُومات شماسی ہوتی ہیں +
یہاں میں ایک عرض کرتا ہُوں۔ آپ میری اس عرض کو

لِلّٰہ سُنیں۔ اور اُس پر غور کریں۔ اور اگر میرا یہ کہنا غلط ہے تو خدارا مجھے اس غلطی سے نکالیں۔ اسلئے میں ان الفاظ کو جلی قلم سے لکھتا ہوں۔ اور خدائے قُدُّوس کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ جس صداقت سے میں نے یہ باتیں لکھی ہیں۔ اسی طرح میں اپنی غلطی کا بھی اعتراف کرونگا۔ اگر ایسا ثابت ہو جائے۔ اس وقت تو اس امر کو میں برنگِ دعوےٰ لکھتا ہوں۔ لیکن بعد میں اگر اس کے برعکس نظر آئے تو اُس کی تردید بھی کروں گا۔ وہ امر یہ ہے:-

کلیسوی تعلیم کی کوئی مُعتدبہ بات مجھے بتلائی جائے مشہور مُروّج داستانِ مسیحیّت کا کوئی مُتمیز خط و خال مُجھے دکھلایا جائے۔ جو بُت پرست مذہب میں پہلے ہی سے بیّن سے بیّن صُورت پر موجُود نہ ہو۔ فی الجُملہ جو جو باتیں کلیسیا نے رُوح القدس یا الہام کی تعلیم سے وابستہ ہوئی

تسلیم کی ہیں۔ اُن میں سے کسی مُعتدبہ بات کا نام لیا جائے جو مسیحیت سے قبل بیگن ازم یعنی مذہب اصنام میں موجود نہوں آج جن باتوں پر مسیحی بھائی الہامِ آلہی کا اطلاق کرتے ہیں۔ وہ تو مذہب کُفریات کی ہیں۔ اور وہ آپ کے مُسلّمات کے مُطابق مصنُوعات اِنسانی ہیں۔ لہذا میں بادب عرض کرتا ہُوں۔ کہ اگر یہ باتیں بیگنوں کی ہیں۔ تو للہ حضرتِ آقا سیّدنا مسیح علیہ السلام کے مُقدّس نام کو اُن سے پاک کیا جائے اور اُن امُور کو مسیحیّت سے خارج کر کے جو بھی حضرت کی تعلیم سے ملے اُسے اپنا مذہب و مسلک قرار دیا جائے۔ حضرتِ آقا خُدا کے مُرسل اور سچّے ھادی تھے بقولِ قرآنِ شریف وہ دین و دُنیا میں وجیہ ہیں۔ آپؑ کا نام قیامت تک دُنیا میں قائم رہیگا۔ اس سے اُن کے خدّام ہم مُسلمانوں کا دل خُوش ہوتا ہے۔ لیکن جس سے ہمارا دل خُون ہو جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ کیوں روایات و تعلیمات کُفر آپ کے دینِ حق میں آ داخل

ہُوئی ہیں۔ رہا یہ امر کہ اِس کلیسوی داستانِ زیرِ بحث
کے ابتدائی خط و خال، پولُوس کے خطُوط میں پائے جاتے
ہیں۔ سو اس بات کو آپ نہ بھولیں۔ کہ خود بعض مسیحی اہلِ الرّائے
کے نزدیک ادبیات پولوس جناب پولوس کی تصنیف کردہ
نہیں۔ یہ تو کسی یُونانی راہب کے لکھے ہوئے ہیں۔ یہ خطوط
اس زمانہ میں لکھے گئے۔ جب مسیحی کلیسیا کی تعمیر پیگن مصالحہ
سے ہورہی تھی۔ مَیں بخوفِ طوالت ان دلائل کو چھوڑتا
ہوں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ان خطُوط کا مُصنّف
پولُوس نہ تھا۔ لیکن بالفرض اگر یہ دو تین باتیں پولُوس نے
ہی لکھی ہُوں۔ تو بھی کوئی وجہ نہیں۔ کہ ہم اُنھیں قبول کرلیں۔
اس موقعہ پر بعض کا یہ خیال ہوگا۔ کہ پولوس رسُول رُوحُ القدس سے
سے بھرپُور تھے۔ اس لئے اُن کی باتیں ماننی ہونگی۔ مگر
حضرت پطرس اور یعقوب بھی تو اُسی رُوح پاک سے بولنے والے
تسلیم کئے گئے ہیں۔ وہ جناب مسیحؑ کے فیضیافتہ تھے۔
اور پطرس کو تو جناب مسیحؑ نے بہشت کی کُنجیاں بھی دی تھیں۔

بالمقابل پولوس تو مسیح کی زندگی میں آپ کا دشمن تھا۔ ہر جگہ آپ کی تکذیب کرتا۔ اور ایذا پہنچاتا تھا۔ اس کو جناب مسیح سے فیض پانے کا موقع کہاں ملا تھا۔ آپ دیکھ لیں۔ پطرس اور یعقوب وغیرہ پولوسی انداز کے مخالف رہے ہیں اور نوشتوں سے نظر آتا ہے۔ کہ وہ پولوس کی بعض باتوں کے مخالف تھے۔ مثلاً جہاں وہ یونانیوں اور رومیوں کی خاطر شریعت سے آزاد ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ اب آپ خود ہی غور کریں۔ کہ ان دو فریقوں میں سے کس کا معلم رُوح القدس ہے؟ آیا وہ جو مسیحی تعلیم میں نئی باتیں پیدا کرتا ہے۔ یعنی پولوس یا وہ جو پطرس کی طرح پولوسی تعلیم کو بدعات ٹھیراتے ہیں۔ پھر سو بات کی ایک بات ہے۔ جو شخص کرنتھیوں[۹ل] جیسی عبارت مندرجہ حاشیہ کا مصنف ہو سکے وہ اگر ابن الوقت

لہ میں یہودیوں کیلئے یہودی بنا۔ تاکہ یہودیوں کو کھینچ لاؤں۔ جو لوگ شریعت کے ماتحت ہیں ان کیلئے میں شریعت کے ماتحت بنا۔ اگرچہ خود شریعت کے ماتحت نہ تھا۔ اور بے شرع لوگوں کیلئے بے شرع بنا۔ تاکہ بے شرع لوگوں کو کھینچ لاؤں۔ کمزوروں کیلئے کمزور بنا۔ تاکہ کمزوروں کو کھینچ لاؤں میں سب آدمیوں کیلئے سب کچھ بنا ہُوا ہوں۔ تاکہ کسی طرح سے بعض کو بچاؤں۔ اور میں سب کچھ انجیل کی خاطر کرتا ہوں۔ تاکہ اوروں کے ساتھ اس میں شامل ہوں +

نہیں تو اَور کیا ہے؟ جیسا موقع دیکھتا ہے۔ وہ تو ویسی بات کرتا ہے۔ کیا مندرجہ فقرۂ حاشیہ رُوح القُدس کا تعلیم کردہ ہوسکتا ہے؟ جبکہ جنابِ مسیح تو عدّت العُمر منافقت کی بیخ کنی کرتے رہے۔ اور پولُوس کی تو کُل تصنیف سے نظر آتا ہے۔ کہ وہ وقت اور نواحی حالات کے لحاظ سے بات کیا کرتے تھے! ایسا ہی جو کچھ اُنھوں نے صنفِ لطیف (عورت) کے مُتعلّق لکھا ہے وہ تو مُسلّمۃً غلط اور قابلِ رد ہے۔ رُوح القُدس سے بھرپُور ہوکر کوئی شخص ایسی باتیں نہیں لکھ سکتا۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ حضرت پولُوس کو اپنے کسی ذاتی مُعاملہ میں عورت کی ذات سے رنج تھا اسلئے کُل نسوان کے خلاف لکھ ڈالا۔ اُن کے اس واقعہ کو تو میں یہاں نہیں لکھتا۔ البتّہ پرائیویٹ طور سے کوئی پُوچھے تو شائد میں اُسے مع حوالہ لکھ سکوں۔ علاوہ ازیں اس زمانہ میں خُود مسیحی مُعلّمین کے نزدیک پولُوس کی بہت سی باتیں مُسترد ہو چکی ہیں۔ ان اُمور کے ہوتے ہُوئے کوئی کیسے یقین کرے۔ کہ پولُوسی خطوط کا لکھنے والا رُوح القُدس سے فیضیافتہ تھا۔ ایسا ہی اپولوجیا کا

ایک فقرہ بھی مجھے ہمیشہ حیران کردیا کرتا ہے۔ اس سے
نظر آتا ہے۔ کہ جسٹن جیسا آدمی بھی اُسی قسم کے الزامی
جواب حسب ضرورت دے دیا کرتا تھا۔ جیسے آج کل کے
مذہبی مُباحثہ کرنے والے کُند ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔
کنواری کے بچّہ جننے کے مُتعلّق کفار کو جسٹن کہتا ہے کہ
کہ جہاں تمہارے خُداؤں نے درجنوں بچّے کنواریوں کے
پیٹ سے جنے۔ اور وہ سب خُدا کے بیٹے کہلائے۔ تو اگر ہمارا
خُدا بھی ایک کنواری کے پیٹ سے پیدا ہو گیا تو کیا حرج ہے۔
انسان جوشِ مذہب میں آکر کہیں کا کہیں نکل جاتا ہے۔ وہ تو
اپنے خیال میں اپنے ممدُوح کی حمایت کرتا ہے۔ لیکن اُس کی
حمایت ہی اُس کے ممدُوح کی ذلت کا مُوجب ہو جاتی ہے
جسٹن کا مذکورہ بالا مقولہ تو یہ ثابت کرتا ہے۔ کہ جناب مسیحؑ
بھی اُن ہی رومی و یُونانی باکرہ زادہ خُداؤں کے بیٹوں میں
سے ایک ہیں۔ اب اگر وہ فرضی قصّے ہیں۔ تو کیوں اسے
بھی اُنھیں کی ذیل میں نہ رکھا جائے +

یہ جو جسٹن نے لکھا ہے۔ کہ جناب مسیح سے صدیوں پہلے
شیطان نے اس لئے مختلف ممالک میں داستانِ صداقت کو
برنگِ مذہب باطلہ پھیلا دیا۔ کہ طالبانِ صداقت کو صدق و
اباطیل کے تمیز کرنے میں مشکل آن پڑی۔ یہ امر کسی قدر
تشریح طلب ہے +

داستانِ متھرا جسے مختصراً ہمیں نے اوپر درج کیا ہے۔
اور تاریخاً داستانِ مسیح کا منبع نظر آتی ہے۔ دراصل ہر ملک میں
سورج پرستی کی ایک مشترک داستان ہے۔ زمانۂ قدیم
میں سورج پرستی ہی اکثر ممالک کا مذہب رہا۔ ہر ایک ملک
نے اپنے ہاں کسی حقیقی یا غیر حقیقی ہستی کو مظہرِ آفتاب تجویز
کر لیا۔ اس کا نام بھی کچھ نہ کچھ رکھا۔ لیکن ایران سے چلکر
میکسیکو اور گوائٹ مالا (امریکہ) تک ان معبودوں کی داستان
قریباً ایک ہی تھی۔ کیونکہ یہ داستان سورج کی ہی مختلف کیفیت
کی بنا پر طیار ہوئی۔ اور یہ کیفیات ایک ہی وقت ہر جگہ شمالی
کُرہ ارض میں پیدا ہوتی ہیں۔ چنانچہ یہ تبدیلی نام و مقام ہر جگہ

کے معبود کی داستان ایک ہی ہے۔ اور یہ وہی ہے
جسے داستانِ متھرا میں ہم پاتے ہیں۔ ہاں مُلکی و قومی
خصائص کے لحاظ سے ہر ایک مظہر شمس کی داستان میں
کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ بھی ہے۔ جو دوسروں کی داستان
میں پایا نہیں جاتا۔ جب مُستنصرانِ کلیسیہ نے پیگنی روایات
پر کلیسا کی تعمیر کر کے ان قدیمی روایات کو اپنا مذہب بنالیا
تو ایک طرف جہاں تک اُن کا بس چلا ہر مُلک سے پیگن مذہب
کی مختلف شکلوں کو بزور شمشیر مٹا دیا۔ دوسری طرف ہر مظہر آفتاب
کے وارقع خصوصی کو متھرا کی داستان میں شامل کر کے داستانِ
مسیح بنالیا۔ گویا وہ سب کے سب واقعات جو ایران سے چل کر
میکسیکو تک مختلف سورج دیوتاؤں کے حالات و مقالات
میں تھے وہ یسوع میں لا جمع کیے۔ تاکہ یہ باتیں پیگنیوں کی
تشفّی کا موجب ہوں۔ لہٰذا میں آپ سے صرف اسی قدر
عرض کرتا ہوں۔ کہ جو باتیں میں ذیل میں لکھتا ہوں۔ اگر
وہ نہ صرف اناجیل اربعہ میں ہی نہ ہوں۔ بلکہ پولوس کی تصنیف

ہیں بھی نظر نہ آئیں۔ اور دوسری طرف وہ پیگن مذاہب
ہیں مُسلّمۃً موجُود ہوں۔ تو پھر آپ کیوں اُنھیں مسیحیّت
میں شامل کریں۔ کیوں اُن کو ترک نہ کیا جائے۔ اور اُنھیں
جنابِ مسیح کی شان میں گُستاخی نہ سمجھا جائے۔ اس بات کو
آپ نہ بھُولیں۔ کہ ہم مشرق کے رہنے والے ہیں۔ ہمارا
محبُوب و مُقتدا ابنِ مریم بھی مشرق کا ہی ایک درخشندہ نیّر
ہے۔ ہم کیوں اپنے کلیسیا کو مغربی رنگ و روغن میں دیکھیں
اور مغرب نور و شمع کے ڈوبنے کی جگہ ہے۔ جہاں اندھیر
ہی اندھیرا ہے۔ اس لئے قدیمی مسیحی بزرگوں[۵۱] نے
مغرب کو شیطان کی جگہ قرار دیا ہے۔ آپ کیوں مغربی کلیسیا

[۵۱] سینٹ جیروم فرماتے ہیں۔ "کہ ہمارے سرائر میں یہ بھی ہے کہ ہم پہلے اس سے کنارہ کشی کرتے ہیں جو مغرب میں ہے پھر مشرق کا رخ کرتے ہیں"۔ اسی طرح سینٹ امبروس کے الفاظ میں ذیل کا فقرہ بھی ہے۔ "جب تم بپتسمہ پانے کی جگہ میں داخل ہوتے ہو۔ اور اپنے دشمن کو دیکھتے ہو۔ جس سے کنارہ کر کے مشرق کے رخ پھرتے ہو کیونکہ جو شیطان کو چھوڑتا ہے وہی مسیح کی طرف آتا ہے"۔ یروشلم کا راہب سرل اسی ضمن میں کہتا ہے "مقام بپتسمہ میں داخل ہونے پر تمہیں مغرب رُو کھڑا کیا جاتا ہے جہاں تم شیطان کو ترک کرتے ہو مغرب ظلمت کی جگہ ہے گویا مغرب کی طرف رخ کرنا شیطان کی طرف رُخ کر کے اُسے چھوڑتا ہے +

کی الٰہیات کو قبول کرتے ہیں۔ آپ خود غور و فکر کریں۔ جنابِ مسیحؑ
کے کہنے کے مطابق اپنے دل و دماغ کو آپ خود استعمال کریں
ان مغربی نویسیوں کی باتیں تو بڑی احتیاط سے قبول کرنی چاہئیں+
یہاں میں ان مظہران آفتاب کا پہلے ذکر کرتا ہوں جنکی
پرستش قبل از مسیح مختلف ممالک میں ہوتی تھی۔ ان سب کی
داستان جیسے میں لکھ چکا ہوں۔ قریب قریب ایک ہی ہے۔ گو انکے
نام الگ ہیں۔ ان کے نام کے آگے میں ممالک مختلفہ کا ذکر
بھی بریکٹ میں کرونگا۔ جہاں کے وہ معبود تھے۔ پھر ان باکرہ
بیبیوں کے نام بھی درج کرونگا۔ جن کے شکم سے یہ ابناء اللہ
پیدا ہوئے۔ بعد میں اُن خصائص کا ذکر کرونگا۔ جو الگ الگ
اُن کی ذات سے مختص تھے۔ لیکن راہبانِ قدیم نے انھیں
داستانِ مسیحؑ میں لا جمع کیا +

اصل بات یہ ہے۔ کہ پہلے تو مذہب مسیح کو ہر دلعزیز کرنے
کے لئے دوسری تیسری صدی میں مسیحؑ اور اُن کے مذہب
کی تصویر رنگین رنگوں میں کھینچی گئی۔ لیکن جب اس کا اُلٹا اثر ہوا

اور قدیمی پیگنوں نے سمجھا۔ کہ یسُوعی روایات تو وہی ہیں جو
اُن کی ہیں۔ تو پھر اپنے مذہب کو چھوڑ کر یسُوعی مذہب کیوں
اختیار کیا جائے۔ بلکہ اس سے بھی بدتر ایک اور مصیبت پیدا
ہُوئی۔ جب لوگوں کو گرجا اور پیگن مندر میں عبادات و رسمیات
ایک ہی نظر آئیں۔ عقاید بھی ایک ہی نظر آئے۔ روزِ عبادت
بھی ایک ہی تھا۔ تو نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ یسُوع کے پیرو پیگن مندروں
میں عبادت کے لئے جانے لگے۔ اور پیگن لوگ کنیسوں
میں آنے شروع ہُوئے[۵۱]۔ گویا دونوں مذہب ایک ہی سمجھے
گئے۔ اور چونکہ عنصر غالب پہلے پیگن کا تھا۔ اسلئے مُعلّمان و
محافظانِ کلیسیہ کو اور فکر ہُوا۔ عیسویت اس وقت کو مُتہ الکبرے

---

۵۱ شہنشاہ ہیڈرین نے جو قسطنطین سے پہلے کے قیصر روم تھے۔ سرونیاس کو اہل سکندریہ کے متعلق ایک چٹھی میں لکھا۔ "جو لوگ سیراپئیس (مصر کا سورج دیوتا) کے پرستار ہیں وہ عیسائیوں کی طرح ہیں بالمقابل جو مسیح کے بشپ کہلاتے ہیں وہ وہ سیراپیس کے پرستار ہیں۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ یہ لوگ سورج پرستوں کو یقین دلاتے تھے۔ کہ ان کا مذہب وہی قدیمی مذہب ہے۔ اور مسیح اور مریم وہی اُن کے خدا اور اُنکی مائیں ہیں۔ اسکندریہ میں جب عیسائی راہب آئی سس کے مندر میں جاتے تو ہورس اور آئی سس کے آگے سر جھکاتے تھے"

میں پوری طاقت پر تھی ۔ عیسویت مذہب سلطنت تھا یوپ پوری طاقت میں تھے ۔ اسلئے تلوار کے ذریعہ پیگن مذاہب کو مٹا دیا گیا ۔ اس مذہب کے معلّم قتل کیئے گئے ۔ اُن کے مندر گرجے بنائے گئے ۔ ہائی پیشیا جو پیگن مذہب کی مشہور معلّمہ تھی مندر میں فلسفۂ مذہب پر بیان کرتے ہوئے پوپ کے حکم سے قتل کی گئی ۔ اس مذہب کا مشہور کتب خانہ سکندریہ قیصر تھا اوڈاسیس کے فرمان پر جلایا گیا ۔ جس کا الزام صدیوں بعد جناب عمرؓ پر لگایا گیا ۔ جو الزام آج دروغ بیفروغ ثابت ہُوا (اورس گاڈ) اِن مذکورہ بالا مظہرانِ آفتاب کے نام نامی حسب ذیل ہیں :-

متھرا (ایران) بعل (بابل) اسٹارٹی (کالڈیا سیریا) اطیس (فریجیا) ایڈونس (سیریا) بیکس (یونان) اپالو (روما) اوسیرس (مصر) ھورس (مصر) کواٹزل کوٹل (میکسیکو) ووڈن و تہور (سیکنیڈینویا) ہرکیولیز (یونان) ان میں سے بعض کی

ماؤں کا نام حسب ذیل ہے۔ جو سب کی سب کنواری حالت میں حاملہ ہو گئیں۔ خطوط وحدانی میں مَیں نے ان اصنافی خداؤں کے نام لکھے ہیں۔ جو اُن سے پیدا ہوئے ڈیمیٹر (اڈونس) آئی سس (ہورس) نیتھ (اوسیرس) سملی (بیکس) تانا (اطیس) ہرتہا (ووڈن) چچلمن (کوائزلکوئل) ڈاٹنا (غالباً ہرکیولیز) فرگا۔ جنو۔ وغیرہ وغیرہ +

آپ اب امور ذیل پر غور کریں۔ اول اُن سب شمسی اوتاروں کی داستان میں ذیل کی باتیں مشترک ہیں:۔

(۱) تاریخ ولادت عموماً ۲۵ دسمبر یا بعض کی ۲۶-۲۷ دسمبر اور ایک کی ۲۸ دسمبر تھی +

(۲) یہ سب کے سب باکرہ کے حمل سے پیدا ہوئے +

(۳) ولادت گاہ۔ اصطبل۔ تہ خانہ یا تمار تھی۔ یسوع کی

ع۱ اہل تنجیم کے نزدیک ۲۵ دسمبر کو سورج دیوتا پیدا ہوتا ہے +

ع۲ کتب تنجیم کی تصنیف پر جسے آج دو ہزار برس سے زیادہ گذرے ہیں سورج کی جنوب میں برج کنیا اور نیچے مشرق میں برج جوزہ نظر آتا تھا۔ کنیا سے مراد کنواری اور جوزہ کا نام کتب تنجیم میں اصطبل تھا۔ گو کنیا اصطبل میں بچہ (آفتاب) جنتی ہے +

جو ولادتگاہ ٹھیرائی گئی ہے۔ وہ تو بقول جسٹن اصطبل وجین تھا۔ جیسے اس علاقہ کے سورج پرست سورج کی ولادتگاہ جانتے تھے +

(۴) ان سب نے اپنی تعلیم کو ملائمت اور نرمی سے پھیلایا۔ اور غالباً ہمیشہ سیاحت میں رہے +

(۵) ان میں سے بعض کے شاگرد بارہ تھے۔ جن میں سے ایک نے انھیں پکڑوا دیا۔ مثلاً اوسیرس اور بیکس اور شاید ایڈونس کو بھی اُن کے شاگرد ٹائیفن نے انھیں گرفتار کرایا +

(۶) ظلماتی قوت ان سب پر ایک وقت غالب آئی +

(۷) وہ اِنسانی گُناہ کی پاداش میں اور انسان کو نجات دینے کے لئے مرے۔ وہ سب کے سب مصلوب یا مقتول یا ذبح ہوئے۔ قریباً سب کے سب پکڑے یا درخت پر لٹکائے گئے۔ اور اُن کے جسم میخوں سے چھیدے گئے +

ﻫ۴ سورج آٹھوں پہر سفر میں رہتا ہے۔ اور کسی کو تکلیف دیئے بغیر نور بخشتا ہے +

ﻫ۵ سورج کے بارہ برج مسلم ہیں لیکن انہی میں سے ایک عقرب ہی بھی دغادار شیطان ہے جسمیں داخل ہوکر سورج دیوتا پر تکلیف آتی ہے۔ یعنی روشنی گھٹنے لگتی ہے +

ﻫ۶ برج عقرب کے بعد ظلمت بڑھتی جاتی ہے +

(۸) موت یا صلیب کا وقت جُمعہ کی سہ پہر تھی۔ اور یہ جُمعہ ابتدا موسم بہار میں تھا (گوڈ فرائیڈے) + سب کے سب موت پر قبر میں ڈالے گئے۔ دو دن قبر میں رہے۔ اتوار کی صبح مُردوں میں سے جی اُٹھے۔ ان میں اکثر ان دو دنوں میں دوزخ میں رہے +

(۹) ان کے مذاہب میں نومُریدین بپتسمہ کے ذریعہ داخل ہوتے تھے +

(۱۰) سب کے مذاہب میں کرسمس اور ایسٹر بطور تہوار منایا جاتا تھا +

(۱۱) اُن کی موت کی یاد میں رسم عشاء ربانی ادا کی جاتی تھی +

(۱۲) بعض کا پہلا معجزہ شراب سے تعلّق رکھتا ہے +

یہ تو ان سب کی داستانوں میں مشترک خط و خال ہیں ۔ جو تقریباً سورج کی کیفیات مختلفہ ہیں۔ ذیل کی باتیں ان میں سے خاص خاص شمسی اوتاروں کی ذات سے مختص ہیں لیکن کلیسیہ نے اُنھیں جناب مسیح کی ذات واحد میں لا جمع کیا ہے +

ے یہ نمبر ۸ سے متعلق ہے | کتب تنجیم میں ایسٹر کے بعد سورج کی روشنی بڑھتی ہے۔ اس موقع پر سورج خط استوا پر ایک صلیب بنتا ہے۔ اور وہاں دو دن تک بیحرکت رہتا ہے۔ اس کے بعد اس کی روشنی میں روز افزوں ترقی ہوتی ہے۔ اور یہ ایسٹر کا دن ہوتا ہے +

ے نوٹ نمبر ۱ کا ہے | کتب تنجیم میں کرسمس سورج کی پیدائش کا دن ہے۔ اور

(۱) **متھرا** ۔ اس کی داستان تو ہر جگہ جُزِ مشترک کے طور پر موجود ہے۔ جو صفحہ ۱۶ پر درج کی گئی ہے +

(۲) **اپالو** ۔ اپالو متھرا کا مُسلّمہ قائمقام تھا یا متھرا کا ہی دوسرا نام ہے ۔ ہاں اپالو کا وصفی نام گڈریا (الرّاعی) بھی تھا مُصوّروں یا سنگتراشوں نے جہاں اُسکی تصویر اُتاری یا مُجسّمہ طیار کیا ۔ تو اُس کے ہاتھ میں **عصاء راعی** یعنے گڈریوں کا سوٹا بھی دکھلایا ۔ اور اُس کے سامنے بھیڑوں کا ایک گلہ تجویز کیا بھیڑوں سے مُراد اُسکے پیرو تھے ۔ اور وہ اُن کا رکھوالا (گڈریا) تھا ۔ اپالو تو شوکت روما کے ساتھ ہی رُخصت ہو گیا لیکن اپنا لقب گڈریوں کا **عصا** اور اپنی بھیڑیں بطور یادداشت کلیسوی روایات میں چھوڑ گیا ۔ اسلئے عیسائی اپنے آپ کو مسیحی بھیڑیں کہتے ہیں +

کوٹزل کوٹل ۔ جب پادری کوٹس (اہل ہسپانیہ) میکسیکو پہنچا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱ ۔ ایسٹر قدیم الایام سے بیگن ازم میں جاری تھی ۔ ایک سورج کے پیدا ہونے کا دن ۔ دوسرا اس کا نتیجہ ظلمت سے نکلکر روز افزوں ترقی کا دن یعنی جب بہار (ایسٹر) پیدا ہوتی ہے ۔ دنیا پر نئی زندگی آتی ہے +

تو وہاں کے قدیمی باشندوں نے اُسے اور رنگت وقومیت کا پاکر یہی سمجھا۔ کہ اُن کا خداوند جو مُردوں میں سے ایسٹر انوار کو اُٹھ کر آسمان کو گیا تھا۔ اور واپس آنے کا وعدہ بھی دے گیا تھا۔ واپس آگیا ہے۔ اُنھوں نے پادری مذکور کا خیر مقدم کیا۔ لیکن کوٹس اُن کی داستان سُن کر سخت متحیّر ہُوا۔ کیونکہ یہ تو بالکل مسیح کی داستان تھی۔ کُچھ دن کےبعد اُسے جسٹن شہید کی تشریح یاد آگئی۔ کہ شیطان نے آکر یہ مذہب تلقین یہاں بھی کر رکھا ہے۔ جس سے اس کی حیرت کم ہُوئی۔ اس ابن اللہ کی باکرہ ما کا نام چملمن ہے۔ داستان تو قریباً وہی متھرا والی ہے۔ اور مسیحی داستان سے بہت کُچھ ملتی جُلتی ہے۔ ہاں دو باتوں میں فرق ہے۔ کوٹزل کوٹل نے چالیس دن کا روزہ رکھا۔ اور اختتام پر شیطان نے اُسے آزمائش میں ڈالا۔ جیسے مسیح کے متعلق ہم اسوقت انجیل میں پڑھتے ہیں۔ ایک اور بات بھی وہ اس زمانہ کیلئے چھوڑ گیا۔ کوٹزل کوٹل کے معنے اُس کی زبان میں "ہمارا پیارا بیٹا" تھے۔ یہ نام کسی اور

شمسی اوتنار کا میں نے نہیں پڑھا۔ گو اکلوتا بیٹا بہت سیوں
کا نام ہے۔ یہ سارے کا سارا واقعہ پادری کوٹش نے ہی
اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے +
یہ تسلیم بھی کر لیا جائے۔ کہ دریائے یردن کا واقعہ جو
اصطباغی کے ہاتھ پر جناب مسیح کے بپتسمہ پانے کے متعلق ہے
وہ چونکہ متی کی انجیل میں درج ہے۔ یعنے رُوحُ القدس کا بزنگ
فاختہ آکر مسیح پر بیٹھنا۔ پھر آسمان سے آواز کا آنا۔ کہ یہ
میرا پیارا فرزند ہے وغیرہ وغیرہ۔ اسلئے الہامی ہے لیکن
اسی واقعہ سے صدیوں پہلے کنواری چیلمن کے صاحبزادہ کو
یہ نام کس الہام نے دیا۔ جسکے لفظی معنے ہمارا پیارا بیٹا ہیں
پھر عذرا چیلمن جب حاملہ ہونے کو ہوتی ہے۔ تو اس کنواری
کو اس حمل کی اطلاع بھی فرشتہ ہی دیتا ہے۔ ہورس و
اسیریس۔ یہ مانا کہ میڈونا (مریم) اور اُسکی گود کا بچّہ ایک
مُصوّر ہی تخیل کا نتیجہ ہے۔ اور اس کا تعلّق الہام سے نہیں
لیکن یہ تخیل بھی تو کسی مسیحی مُصوّر یا سنگتراش کا نہیں۔ یہ تخیل بھی

تو مذہب اصنام سے ہی آیا۔ یُوں تو کُل عیسائی دُنیا کا گھر گھر آج
باکرہ اور اُس کی گود میں ابنُ اللہ کی تصویر یا مجسّمہ سے معمُور ہے
لیکن ان سب میں مُمتاز مجسّمہ مارسیلز (فرانس) میں نوٹرڈیم
گرجا کا ہے۔ اُس کی عمارت اس کا مقام اُس کا نواحی منظر کچھ ایسا
دلکش ہے۔ کہ جب کبھی میں مارسیلز گیا۔ مَیں نے ایک دن نوٹرڈیم
میں گذارا۔ وہاں جاکر میں ایک بنچ پر بیٹھ جاتا ہوں۔ اور
آنکھیں بند کر کے احدیت مآب سے دُعا کرتا ہوں۔ کہ اس گرجا
کی حقیقت سے بھی دُنیا کو اطلاع بخش +

بہرحال یہ امر اب تاریخاً ثابت ہو گیا ہے۔ کہ نوٹرڈیم کا گرجا
چوتھی صدی تک کنواری آئی سس کا مندر تھا۔ جس کے پاس اس کا
فرزند اور مصر کا ابنُ اللہ ہورس تھا (ملاحظہ ہو گین اینڈ کریچن گریڈ مُصنّفہ
ایڈلرو ڈکارپنٹر) مسیحی قلب نے اس آئی سس کے مندر کو کنیسۂ
نوٹرڈیم بنا دیا۔ یہ نام بھی قدیمی ہے۔ نوٹرڈیم کے معنے
اَور لیڈی (ہماری خاتون) کے ہیں۔ آئی سس کا یہ بھی نام تھا
اور اس کو کوئن آف ہیون (Queen of Heaven) یعنے خاتون جنّت

بھی کہتے تھے۔ نہ تو آئی سس ہی۔ نہ آج ہورس رہا۔ لیکن آئی سس نے اپنے ہر دو لقب مریم بتول کو دیدیئے۔ اور اپنا مجسمہ عیسائی گھروں کی زیب و زینت کے لئے چھوڑا۔ ابن اللہ ہورس کی باقی داستان تو قریباً وہی ہے۔ جو متھرا یا یسوع کی ہے البتہ تاریخ ولادت ۲۸ دسمبر کی ہے۔ ہورس سے پہلا مصری ابن اللہ اوسیرس تھا۔ اسکی باکرہ والدہ کا نام "نیتھہ" تھا۔ باقی داستان وہی ہے البتہ اسکی تاریخ ولادت ۲۷ دسمبر ہے۔ ہاں اوسیرس کے ایک شاگرد ٹائیفن نے اسے گرفتار کرایا +

بتھیس۔ آپ کی پیدائش کا قصہ ہو بہو کسی ہند وانی وشن اوتار کا قصہ ہے۔ آپ کی پیدائش کی تاریخ تو ۲۵ دسمبر ہے اور حالات وہی کلیسوی یسوع کے ہیں۔ ہاں حضرت بتھیس کے متعلقہ الفاظ ذیل میرے مسیحی احباب کے لئے قابل غور ہیں +

جیوپیٹر (خدا) نے ایک عفیفہ کنواری پر سایہ ڈالا۔ وہ حاملہ ہو گئی۔ اور اس نے دنیا کے نجات دہندہ کو جنا۔ اس نے انسانوں کے دُکھ درد کے دُور کرنے کیلئے اپنے آپ کو دُکھ اور درد

میں ڈالا۔ اور مارا گیا۔ اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے
اس کے پرستار اس کو ان ناموں سے یاد کرتے ہیں "اکلوتا بیٹا"
المقتول۔ گناہ اُٹھانیوالا۔ منجی (از اوریجن آف ریلیجس بیلفیس)
قابل مصنّف ڈوان نے اپنی کتاب موسوم بہ بائبل متھس
کے صفحہ ۱۹۳ پر خُداوند بیقس کا ذیل کا مقولہ لکھا ہے۔
جو اُنھوں نے نسل انسانی کو مخاطب کر کے کہا:۔
وہ میں ہی ہوں۔ جو تمہارا ہادی ہوں۔ جو
تُمہارا حافظ ہوں۔ جو تمہارا منجی بھی میں ہی
الفا اور امیگا ہوں +
اڈونس۔ پسر باکرہ ڈمیٹر۔ اس ابن اللہ کا ذکر
تو حزقیل نبی کی کتاب میں بھی ہے۔ جس کی موت پر
کنواریاں روتی ہیں۔ ان کے قصہّ کے اعادہ کی ضرورت
نہیں قریب قریب وہی ہے۔ لیکن اُن کی یادگار آج بھی
موجود ہے۔ اُن کی پیدائش اسی جگہ بیان کی جاتی ہے۔
جہاں آج یسوع کی ولادت کی یادگار میں کنیشۂ ولادت

کھڑا ہے (Church of Nativity) - یہ عمارت بھی یسوعی
تغلب و تظلم کا شکار ہوئی - جب سیریا پر مسیحی روما کا تسلط
ہوا - اور ناصرہ کے قریب ہی ایڈونس کی ولادت گاہ تھی جہاں
ان کا مندر تھا - قصبہ بھی وہی تھا - لیکن چونکہ ایڈونس اور
ان کے مذہب کو مٹانا مدنظر تھا - ان کی ہر ایک چیز کو تو
تہ خاک کر دیا - لیکن اس پرانے مندر کو قائم رکھا گیا - اور
کسی قدر شکست و ریخت کے بعد ولادت ناصری کی یاد
میں اسی کا نام کنیسہ ولادت رکھ دیا - جو آج بھی لاکھوں کی
زیارتگاہ ہے - ایڈونس کی موت کی یاد کی رسم میں بڑا کاہن
یہ الفاظ کہتا ہے " اپنے خداوند پر ایمان لاؤ - کیونکہ جو کچھ
تکالیف اُس نے سہیں - وہ ہماری نجات کے لئے سہیں -
(ینابیع المسیحیت صفحہ ۱۰۱) *

بعل - یوں تو مسیحی الٰہیات کُل کی کُل مرہونِ جگن ناتھ
نظر آتی ہیں - ایسا ہی صلیبی واقعہ بھی ایک قدیمی شمسی واقعہ
ہے - جس کی تشریح میں بعنوان صلیب ان اوراق میں کرونگا

البتّہ انجیلی داستان میں جو جناب مسیحؑ کے مُقدّمہ کا ذکر ہے اور پھر جو کچھ مُقدّمہ کے بعد ہُوا - یہ دوسرے شمسی مظہروں کی داستان میں نظر نہیں آتا - یوُں تو وہ سب کے سب جُمعہ کی سہ پہر کو مصلوُب و مقتول ہُوئے - مرے - قبر میں گئے - دوبارہ قبر سے اُٹھے آسمان کو گئے - لیکن جو واقعات انجیل نویسوں نے یہُودا اسکریوطی کے دغا کے بعد لکھے - یعنے مقدمہ اور اسکے نتائج وہ کسی اور جگہ نظر نہیں آتے - گو سکریوطی بھی ٹائیفس کی ہی یادگار ہے - جس نے اپنے اُستاد ابنُ اللہ اوسیرس کو اور ایسا ہی بقیس کو گرفتار کرایا ؞

بہرحال اس صدی میں اس امر کا بھی انکشاف ہو گیا - کہ یسوع کے برخلاف مقدمے کا ہونا - اس مقدمے کے نتیجہ پر اس کا لکڑی پر لٹکایا جانا - الغرض جس قدر بھی واقعات ہیں - یہ سارے کے سارے ابن اللہ بعل کی داستان میں پہلے سے موجود تھے - یا یُوں کہیں کہ ان انجیلی واقعات کا ماخذ قصّہ بعل ہے - بابل کی کھنڈرات آئے دن دُنیا کی بوالعجبی کا موجب

ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ سنہ ۱۹۰۳ء میں بابل کے ایک شہر کالاشیرگٹ کے کھنڈرات میں سے پتھر کی چند سلیں نکل آئیں۔ یہ وہی مقام ہے۔ جہاں قدیمی شہر آسور واقع تھا۔ ان سلوں پر کچھ الفاظ کندہ تھے۔ چونکہ ان کھنڈرات کے کھودنے والے اہل جرمن تھے۔ یہ سلیں برلن میں بھیجی گئیں۔ اور آخر نہایت محنت کے بعد ان سلوں کا سنہ ۱۹۰۹ء میں بزبان جرمنی ترجمہ ہوا۔ جس ترجمہ نے جرمن دُنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ قریب تھا کہ جرمنی کُل مغربی دُنیا کو اس حیرت میں شریک کرتا۔ لیکن جنگ عظیم نے اس نئے انکشاف پر کچھ دیر کے لئے پردہ ڈال دیا۔ سنہ ۱۹۱۹ء میں از سر نو جرمنی صحائف میں مذکورہ بالا عبارت کی سلوں کا ترجمہ ہوا۔ جسکو میرے ایک مکرم دوست مسٹر میڈ ایڈیٹر رسالہ کوئسٹ لندن نے انگریزی میں ترجمہ کرکے اُسے اپنے رسالہ کے جنوری (سنہ ۱۹۲۲ء) نمبر میں شائع کیا۔ چنانچہ اسی رسالہ کا حصہ متعلقہ میں ذیل میں بشکل جدول نقل کرتا ہوں:۔

بابل کی داستان صلیب

(۱) بعل گرفتار ہوتا ہے +

(۲) بعل کا مقدمہ پہاڑی ڈالے گھر (اکرہ یعتا) میں ہوتا ہے +

(۳) بعل کو مارتے اور زخمی کرتے ہیں +

(۴) بعل کے ساتھ دو مجرم ہوتے ہیں جنہیں سے ایک کو سزائے موت دی جاتی ہے اور ایک مجرم کو چھوڑ دیا جاتا ہے اس کو بعل کے ساتھ (سزا کیلئے نہیں لیجاتے +

(۵) بعل کو پہاڑی کی طرف (مارنے کیلئے) لیگئے +

(۶) بعل کے پہاڑی کی طرف جانے پر شہر میں شور و فساد شروع ہو گیا۔ اور لڑائی ہوئی +

(۷) بعل کے کپڑے لے لئے گئے +

(۸) بعل کے جسم میں ایک آلہ کے چبھنے سے خون جون اسکے دل سے نکلا اسکو ایک عورت نے پونچھا +

(۹) بعل کی پہاڑی کی تہ میں چلا جاتا ہے، جہاں سورج

انجیل کی داستان صلیب

(۱) مسیح گرفتار ہوتا ہے +

(۲) مسیح کا مقدمہ بڑے ربی کے گھر میں اور پھر پیلاطوس کی عدالت میں ہوتا ہے +

(۳) مسیح کو کوڑے لگائے جاتے ہیں +

(۴) مسیح کے ساتھ تین مجرم تھے جن میں سے دو کو سزائے موت دیگئی۔ اور ایک مجرم بار ابّاس نام چھوڑ دیا گیا۔ اور وہ مسیح کے ساتھ نہ گیا +

(۵) مسیح کو صلیب دینے کیلئے گولگوتھا (پہاڑی ٹیلہ) پر لیگئے +

(۶) مسیح کی موت کے بعد ہیکل کا پردہ پھٹ گیا، زلزلہ آیا، چٹانیں پھٹ گئیں، قبریں شق ہو گئیں وغیرہ وغیرہ +

(۷) مسیح کا لباس سپاہیوں میں تقسیم ہوا +

(۸) مسیح کے پہلو میں (دل کے قریب) بھالا لگا کا خون پانی کا نکلنا پھر عورتوں کا جسم دھو کر مشک عطر لگانا +

(۹) مسیح چٹانی قبر میں ڈالا جاتا ہے اور وہاں سے

ف۱ اس ٹیلے کو میں نے بھی دیکھا ہے منہ

اور روشنی نہیں وہ زندگی سے غائب ہو جاتا ہے

(۱۰) بعل کو پہاڑی قلعے میں بند کر کے اس پر پہرہ رکھا گیا

(۱۱) ایک دیوی بعل کے پاس بیٹھتی ہے +

(۱۲) بعل کو جس جگہ رکھا گیا تھا وہاں اُسکی تلاش کرتے ہیں خاص کر ایک عورت روتی ہوئی قبرستان کے دروازے پر اُسکی تلاش کرتی ہے اور روتے ہوئے کہتی ہے کہ میرے بھائی! میرے بھائی!!

(۱۳) بعل پھر زندہ ہوتا ہے اور پہاڑ سے نکلتا ہے

(۱۴) اس واقعہ کی تقریب پر بابل میں مارچ کے آخری ایام میں دھوم دھام سے جلسہ ہوتا ہے، خصوصاً اس امر کیلئے کہ اس دن بعل ظلماتی طاقت پر غالب آیا +

وہ عالم اموات میں چلا جاتا ہے +

(۱۰) مسیح کی قبر پر پہرہ رکھا گیا +

(۱۱) مریم مگدلینی اور دوسری مریم قبر کے سامنے بیٹھتی ہیں

(۱۲) مریم مگدلینی قبر پر مسیح کی تلاش میں آتی ہے۔ قبر کو خالی دیکھ کر روتے ہوئے کہتی ہے کہ میرے خداوند کو لے گئے +

(۱۳) مسیح زندہ ہو کر قبر سے نکلتا ہے +

(۱۴) عیسوی دنیا میں انہی دنوں ایام ایسٹر میں جو خوشی کا تہوار منایا جاتا ہے، اس کا بھی مقصد یہی ہے کہ مسیح اس ظلماتی طاقت پر غالب آیا +

اس بات کی تشریح کی مجھے ضرورت معلوم نہیں ہوتی کہ کس طرح یہ داستان بعل بابل سے چل کر یہودا میں آگئی۔ اور وہاں دوسری تیسری صدی کو بائبل میں جا داخل ہوئی۔ یہاں میں اس قدر لکھ دیتا ہوں کہ بخت نصر جب یہودیوں کو قید کر کے بابل میں لیگیا۔ تو وہاں داستان

بعل کا یہ حصّہ بصورت ناٹک اکثر مواقع پر ہُؤا کرتا تھا یہودی جب دو تین نسل کے بعد اسیریٔ بُخت نصر سے آزاد ہو کر واپس آئے۔ تو اپنے ہمراہ اس ناٹک کو بھی لائے۔ خود اگر اس واقعہ کو بھی دیکھا جائے۔ تو اس کے کیا معنے ہیں۔ کہ یہ سارے کا سارا معاملہ رات کے وقت ہُؤا۔ حتّےٰ کہ عدالتی کارروائی کا ایک حصّہ بھی رات کے وقت ہوتا ہے۔ اور ایک نصف رات میں ایک لمبا واقعہ طے ہو جاتا ہے۔ ناٹک میں ضرورتاً چند گھنٹوں میں برسوں کا قصّہ سٹیج پر آ جاتا ہے۔ جو کہ اسطرح داستانِ بعل جو داستان بائبل کا ماخذ ہے۔ وہ بھی سٹیج پر آ چکی تھی۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے، کہ اسلئے اس مُقدّمہ کو بھی رات کے وقت کیا گیا ہے ورنہ عدالتیں تو رات کے وقت نہیں بیٹھا کرتیں۔ بہرحال جو کچھ بھی ہُؤا ہمیں اس سے بحث نہیں۔ دیکھنا تو صرف اسی قدر ہے۔ کہ جناب مسیح کی پیدائش سے صدیوں پہلے مذہب بعل دُنیا میں تھا یا نہیں۔ چنانچہ خُود تورات اس بات کی شاہد ہے۔ کہ جناب مسیح سے صدیوں پہلے بعل کے پرستار دُنیا میں تھے اب اگر داستانِ بابل

اناجیل کی تصنیف سے صدیوں پہلے لکھی جاچکی تھی۔ اور وہ داستان معمولی سے معمولی اختلاف کے سوا ہو بہو داستان بائیبل سے ملتی ہے۔ تو کیوں اُسے اس حصہ داستان مسیح کا منبع نہ قرار دیا جائے

میرے بزرگو! یہ واقعات آپ کے سامنے ہیں۔ جو داستان متھرا آپ نے پڑھی ہے۔ اسمیں اگر ہم ان خصائص کو ایزاد کردیں جو میں نے مندرجہ بالا شمسی اوتاروں کے متعلق لکھے ہیں تو آپ غور فرمائیں۔ کہ جناب مسیحؑ کی داستان میں کونسی ایسی بات آپ کو نظر آتی ہے۔ جو سیدنا مسیحؑ سے پہلے دُنیا میں موجود نہ تھی۔ یہ زمانہ تو وہ نہیں کہ ہم جسٹن شہید کی تشریح کو تسلیم کرلیں۔ آپ مُورخانہ تنقید کے اصولوں کو سامنے رکھ کر ان واقعات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ تو کیا ایک شخص اس نتیجہ پر آنے کا حق نہیں رکھتا۔ کہ سیدنا مسیحؑ کی تصویر کو قدیمی راہبوں نے صنامی مذہب کے رنگ میں رنگ دیا۔ اور یسُوع بھی اسی فہرست کا آخری ممبر ہے۔ جس میں متھرا سے چل کر اپولو تک مختلف ہستیاں قوت متخیلہ نے پیدا کیں۔ اسی وجہ پر تو بعض مغربی محققین نے حضرت

کی زندگی سے ہی انکار کر دیا۔ میں پھر عرض کرتا ہوں۔ کہ ان ہستیوں کا مرہون تخیل ہوتا۔ اور جناب مسیح کا ایک حقیقی ہستی ہونا اس وقعہ کی تشریح نہیں کر سکتا۔ کہ وہ واقعات غلط ہیں۔ اور جناب مسیح کے واقعات صحیح ہیں۔ امر تنقیح طلب تو یہ ہے۔ کہ ان خیالی ہستیوں کی داستان اور مسیح کی داستان ایک ہی ہے۔ یا نہیں اور دوسرا امر یہ ہو گا۔ کہ آیا ان ہستیوں کی یہ داستانیں جناب مسیح کے پیدا ہونے سے پہلے اصنامی دُنیا کے ایمان و یقین میں تھیں یا نہیں۔ اب اگر یہ امر مسلم ہے۔ کہ جناب مسیح کی مشہور کردہ داستان کا ایک واقعہ بھی ایسا نہیں۔ جو ان خیالی ہستیوں کے متعلق پہلے سے موجود نہ تھا۔ بلکہ مذہب کے خط و خال ہندو مذہب سے ملتی جلتی ہیں۔ یہ سب کی سب باتیں جناب مسیح سے صدیوں پہلے تھیں تو اُس کا لازمی نتیجہ یہ ہے۔ کہ کسی ضرورت کے لئے ابتدائے معماران کلیسیہ نے اصنامی مذہب کی ساری روایات کو جناب مسیح کی داستان میں لا شامل کر لیا۔ چنانچہ اناجیل بھی اسی وقت لکھی گئیں۔ جب کلیسیہ اصنامی مذہب کے زیر آ چکا تھا۔ کچھ

واقعات تو اناجیل نویسوں نے وہاں سے لئے باقی چوتھی صدی تک وقتاً فوقتاً مسیحی راہبوں نے لئے ۔

میں پھر آپ کی توجہ اس طرف منعطف کرتا ہوں کہ جناب مسیح کے واقعات تو بالفرض منشائے ایزدی سے ہوئے۔ اور انجیل نویسوں نے اُسے الہاماً لکھا لیکن اصنامی ابناء اللہ کے واقعات کیسے الہام کئے۔ آخر واقعات تو وہی ہیں۔ اگر وہ صحیح ہیں تو پھر دُنیا میں یسوع کی کیا ضرورت تھی۔ اگر وہ سب کے سب فرضی ہیں۔ تو جناب مسیح کے متعلق ان واقعات کو کیوں صحیح مانا جائے خدارا اس امر پر غور فرمائیں۔ اور اس مقدس ہستی کو ان اصنامی واقعات سے پاک کریں ۔

کاش جناب مسیح کے واقعات کسی تاریخی بناء پر ہوتے۔ اتنا عظیم الشان انسان دُنیا میں پیدا ہو۔ جس کے وعظ و نصیحت نے یہودی قوم میں ایک تہلکہ پیدا کر دیا۔ جو قدم قدم پر معجزات دکھلائے اور جسکے ہاتھوں سے تنگ آ کر یہودی فقیہہ اسکے خلاف مقدمہ کھڑا کر دیں وغیرہ وغیرہ اس قدر حیرتناک اور محیر العقول واقعات

کی زندگی کا اشارہ تک اسرائیلی مؤرخ جوسیفس اپنی تاریخ میں نہیں کرتا حالانکہ یہ اسرائیلی فاضل سیّدنا مسیحؑ کا ہمعصر تھا۔ اور قریب کے زمانہ کا رہنے والا تھا۔ اور ہیروڈوس وغیرہ کی طرح قدیمی مؤرخین میں سے ایک مستند مؤرخ مانا گیا ہے۔ علاوہ ازیں کسی اور جگہ بھی کہیں مسیحؑ کا ذکر نظر نہیں آتا۔ رومی سلطنت کے ہاں اسبات کا خاص انتظام تھا۔ کہ ہر قیصر کے زمانہ میں اگر کوئی خاص واقعہ ہو تو لکھ لیا جائے۔ کیا وجہ ہے۔ کہ جناب مسیحؑ کا نام تک ادنیٰ ریکارڈ میں نظر نہیں آتا مستعمرانِ کلیسیا نے اس نقص کو خود ہی محسوس کیا۔ چنانچہ جہاں ایک طرف ایک ورقہ یوسیفس کی تاریخ میں الحاق کر دیا۔ اور اسمیں یسوع ناصری کے واقعاتِ صلیب وغیرہ لکھ دیئے۔ وہاں ریکارڈ میں ایک چٹھی بھی بنادی گئی۔ اور بیان کیا گیا۔ کہ پیلاطوس نے قیصر کے نام لکھی تھی۔ اس چٹھی میں پیلاطوس نے سیّدنا مسیحؑ کے مقدمہ اور اُسکے صلیب کا قصہ لکھا اپنی دست شوئی کا بھی ذکر کیا۔ اور نیچے دستخط کر کے قیصر روم کی خدمت میں بھیج دیئے۔ یہ چٹھی اس وقت بھی کتب خانہ پوپ میں موجود ہے

کاش جوسیفس کی تاریخ کا مذکورہ بالا ورق یا پیلاطوس کی یہ چٹھی اصلی ہوتی توصورت کچھ کی کچھ ہو جاتی۔ لیکن آج خود کلیسیا کے اہل الرائے نے فیصلہ کر دیا ہے۔ کہ وہ ورق اور یہ چٹھی دونوں جعلی ہیں۔ جب قدیمی راہب اور پاپاء آسانی کے ساتھ اس قسم کا خطرناک جعل کر سکتے تھے تو پھر وہ کیا کچھ نہ کر سکتے تھے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار +

اب جناب مسیح کے حالات کی تحقیق میں اگر اس چٹھی اور جوسیفس کی تاریخ کے ورق کو نکال دیا جائے۔ تو آپ خود ہی غور فرمائیں کہ سوائے اناجیل اربعہ کے جناب مسیح کے حالات ہم کہاں سے تلاش کریں۔ رہی انجیل سو اس کی تصنیف مُتشکک ہے۔ وہ پہلی صدی کی لکھی ہوئی نہیں۔ اور بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے۔ کہ وہ اس وقت کی لکھی ہوئی تھی۔ تو اُن میں یہ واقعات ہیں۔ جو کلیسیہ نے سیدنا مسیح کے متعلق تجویز کئے ہیں +

میں نے اُوپر بیان کیا ہے۔ کہ مکاتیب پولوس میں بالضرور گناہ اور گناہ سے نجات بذریعہ خون اور ایسے ہی نئی زندگی کا اشارہ ہے لیکن یہ اُمور بھی تو قدیم سے چلے آتے ہیں۔ اسکے سوا جسقدر

امورات تاریخ کے متعلق آج مانے جاتے ہیں۔ اُن کا پتہ نہ اناجیل اربعہ ہیں۔ اور نہ مکاتیب پولوس نہ کسی اور رسول کی تحریر میں ملتا ہے۔ پھر مغربی کلیسیا ان واقعات کو کہاں سے لایا اس ساری بحث کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ ان کا ماخذ مذہب اصنام تھا۔ کیا تاریخی تنقید کے ماتحت کوئی اور نتیجہ نکل سکتا ہے؟

نئی زندگی

جناب مسیح تو خدا کے مرسل تھے۔ اور اُن کا وہی مذہب تھا جس کی تعلیم سیدنا نوح سے چل کر سیدنا محمد علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمائی۔ لیکن مغربی کلیسیا نے چند نئی باتیں تعلیم کی ہیں۔ جن کے متعلق کلیسیاء کا یہ بیان ہے۔ کہ دُنیا میں جناب مسیح کے ساتھ نیا انکشاف ہُوا۔ اُن نئی باتوں میں سے چند ایک کو میں یہاں لکھ دیتا ہوں۔ اور پھر آپ دیکھیں کہ ان میں کوئی بھی ایسی بات ہے۔ جو سیدنا مسیح علیہ السلام سے صدیوں پہلے کفار کے ہاں موجود نہ تھی۔ پھر کیوں

ان باتوں کو تیا انکشاف کہا جائے۔ وہ ذیل کی باتیں ہیں:-

(۱) انسان کی سرشت میں گناہ کا ہونا۔ اور سزائے گناہ سے نجات کے لئے خدا کا اپنے بیٹے کی شکل میں دُنیا میں آنا

(۲) کنواری کا ابن اللہ جننا +

(۳) انسان کو گناہ کی سزا سے بچانے کے لئے خدا کا صلیب پر مصلوب ہونا۔ یا مذبح خداوند پر قربان ہونا +

(۴) خدا کا گوشت برنگ استعارہ کھانے سے انسانی سرشت کی تبدیلی +

(۵) فلسفۂ کلام مندرجہ انجیل یوحنا +

کہا جاتا ہے۔ کہ یہ امُور کسی اور الہام میں نہیں۔ اور نئے ہیں۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں۔ کہ یہ باتیں کسی الہامی مذہب شریعت میں نہیں۔ اسلئے ہمارے واسطے نئی ہوسکتی ہیں۔ لیکن میری ذیل کی معروضات سے آپ سمجھ لینگے۔ کہ یہ باتیں ہی کفار میں قدیم الایام زمانہ سے موجود تھیں۔ چنانچہ میں اُنھیں بالترتیب بیان کرتا ہوں +

کنواری کے پیٹ سے ابنُ اللہ کا پیدا ہونا

جناب مسیح علیہ السلام سے ہزاروں برس پہلے مذہب شریعت کے ساتھ ساتھ جس نے انسانوں کی نجات لفظاً شریعت پر عمل کرنے سے وابستہ کی ہے۔ وہ لوگ بھی زمانۂ قدیم سے چلے آئے ہیں۔ جو شریعت کے بوجھ اُٹھانے سے ہمیشہ جی چراتے رہے۔ ان لوگوں نے ہی بار شریعت سے بچنے کیلئے صلیب۔ کفارہ خدا کے گوشت کو کھانا وغیرہ وغیرہ امور تجویز کئے۔ اور اس مذہب کا نام مُروّجہ کلیسوی اصطلاح میں مذہب شریعت کے مقابل مذہب فضل رکھا۔ لیکن چونکہ گناہ کے کفارے میں ضروری تھا۔ کہ کوئی معصوم خدا کی نذر ہو۔ بالمقابل ابن آدم تو گنہگار تھا۔ اسلئے ضروری ہوا کہ کفارہ اُسی کی ذات سے ہو جو ابن اللہ ہو۔ پھر ابن اللہ کا جسم بھی نطفہ انسانی سے نہ ہو۔ اور نہ وہ مرد عورت کے جمع ہونے کا نتیجہ ہو۔ اسلئے ضروری سمجھا گیا۔ کہ کفارہ دینے والا کسی کنواری کے بطن سے ہو چنانچہ انہی باتوں کو آج مغربی کلیسیا ضرورت کفارہ کی تشریح

میں بیان کرتا ہے۔ الغرض اس ملت کے پرستاروں نے وقتاً فوقتاً کنواریوں کے بطن سے ابناءُ اللہ پیدا ہوتے تسلیم کئے۔ ان باکرہ خواتین میں سے ذیل میں چند کنواریوں کے نام دیئے جاتے ہیں۔ جن کا ذکر اوپر بھی آچکا ہے +
ڈمیٹر۔ ہرتھا۔ آئی سس۔ نیتھہ۔ نانا۔ چملمن۔ ڈاٹنا۔ فرگا وغیرہ وغیرہ۔ ان کے بطن سے عموماً ۲۵ دسمبر کو ہی بچے پیدا ہوئے۔ جن کی ولادت گاہیں عموماً کسی اصطبل میں یا پہاڑ کی کھوہ میں ہوئیں۔ چنانچہ جسٹن شہید نے خود تسلیم کر لیا ہے۔ کہ جس اصطبل میں جناب مسیح پیدا ہوئے وہ اصطبل او جیس تھا۔ جہاں سورج دیوتا ۲۵ دسمبر کو پیدا ہوا +

صلیب۔ عہدنامہ جدید۔ زندگی نو

لہٰذا صلیب کی پرستش بہ تشریح بالا قدیم الایام سے چلی آئی ہے میں نے سکندریہ کے میوزیم میں۔ جہاں مصری کھنڈرات جمع کئے گئے ہیں ایک صلیب دیکھی۔ جس کی پرستش پیدائش مسیح

سے چار ہزار برس پہلے وادیٔ نیل میں ہُوا کرتی تھی - کیونکہ
اس وقت اہلِ مصر شمس پرست تھے - ۲۳ مارچ کے قریب
سُورج خطِ استوا سے گذر کر اپنے مدار کے ساتھ صلیب کی شکل
پیدا کر دیتا ہے - اور پھر دو دن تک مقامِ صلیب پر ساکن
رہتا ہے - گویا خُداوند نُور جو ۲۵ دسمبر کے بعد نُور میں بڑھتا
جاتا ہے - ۲۳ مارچ کو آ کر اپنی رفتار ترقی میں رُک جاتا ہے
یہ وہ وقت ہے جب سُورج برجِ حمل میں ہوتا ہے - جسے سنسکرت
میں سیگھ کہتے ہیں - جس کے معنے بچھڑا کے ہیں - چنانچہ
کُتب تنجیم میں اس بُرج کی شکل بچھڑا کی دی گئی ہے - گویا بچھڑا
مصلُوب ہوتا ہے - الغرض یہ وہ وقت ہے - جبکہ خُداوند نُور
ایک قسم کی صلیب پر ہوتا ہے - قدیم الایام سے سُورج پرست اُس
وقت دُعا و خیرات میں لگ جاتے تھے - جیسے یہاں کسُوف و
خسوف کے وقت ہندوؤں کا رواج ہے - عقیدہ یہ تھا - کہ خُداوند نُور
پر دیو ظلمت کا یہ آخری حملہ ہے - ۲۵ مارچ کو یہ مصیبت
ٹل جاتی ہے - اور اُس دن کے بعد سُورج روشنی میں بڑھتا جاتا ہے

دُنیا میں بہار (ایسٹر) آنے کا وہی دن ہوتا ہے۔ مُردہ زمین میں ایک نئی زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی واقعہ کو ہر اصنامی مذہب نے اس طرح بیان کیا۔ کہ ابن اللہ یا سُورج دیوتا اس تاریخ کو صلیب پر چڑھ کر دو دن کے لئے قبر میں چلا جاتا ہے۔ اور پھر اتوار (ایسٹر) کو قبر سے نکلتا ہے۔ جس پر یہ لوگ خُوشی کرتے ہیں۔ نیل کی صلیب کی پرستش کا خاص دن بھی ایسٹر سنڈے ہی تھا۔ اس دن یہ لوگ جہاں آپس میں ایک دوسرے کو تُحفہ تحائف دیا کرتے تھے۔ وہاں صلیب نُما روٹی اور انڈے بھی تقسیم کرتے تھے۔ چنانچہ آج بھی رومن کیتھولک والے صلیبی کیک اور انڈے ایسٹر کو کھاتے ہیں۔ اور اکدوسرے کو بطور تُحفہ بھیجتے ہیں۔ جیسا بیان کر چکا ہوں ہر ایک ابن اللہ کے مقتول یا مصلُوب ہونے کا یہی دن مقرر ہے۔ یعنے جمعہ کی سہ پہر۔ اور پھر اُن میں سے ہر ایک ایسٹر سنڈے (اتوار) کو ہی قبر سے اُٹھتا ہے۔ یعنے جو اس جمعہ سے پیوستہ سنڈے ہوتا ہے۔ جو مصری صلیب میں نے سکندریہ میں دیکھی اُسکے نیچے کچھ عبارت بھی کندہ تھی۔ جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:-

نشانِ حیاتِ جدید

یہ نام بھی اپنی حقیقت کو آپ ظاہر کر دیتا ہے۔ چونکہ سورج کے مذکورہ بالا متخیلہ صلیب پر چڑھنے کے بعد ہی بہار پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے دُنیا میں ایک نئی زندگی آجاتی ہے لہٰذا اگر صلیب کو نشانِ حیات جدید قرار دیا جائے تو واقعاتِ متخیلہ کے مطابق تھا۔ اب آپ اپنے ہاں خُود غور کریں۔ کہ کلیسیا نے جو ملّتِ مسیحی کا نام نیا عہد نامہ رکھا۔ اور اس اصطلاح کی بنیاد پر پولوس نے جنابِ مسیح کا نام نیا آدم رکھا! اور پھر تمام مذہب کو مختصراً لفظ **نئی زندگی** سے تعبیر کیا۔ اور اس نئی زندگی کو مسیح کے مصلوب ہونے سے وابستہ کر رکھا ہے۔ اور وہ واقعہ مارچ کے اخیر میں ہوتا ہے۔ جب دُنیا میں نئی زندگی کا ظہور ایسٹر یعنے بہار پر ہوتا ہے۔ تو کیا یہ سارا قصّہ وہی نہیں جو دریائے نیل پر صلیب پرستی کرنے کے وقت تسلیم کیا جاتا تھا۔ پھر اگر عہد نامہ جدید کی بنیاد کسی مصلوب کے خون پر ایمان لانے سے وابستہ ہے۔ تو کیوں اسے عہد نامۂ جدید کہا جاتا ہے بالفرض اگر عہد نامہ قدیم تے رب اصطلاح کلیسیہ

نجات انسان کو شریعت پر عمل کرنے سے وابستہ کیا ہے۔ تو اُس نجات کو نسل انسانی کی ایک جماعت نے قدیم سے ہی کسی مصلوب کے خون پر منحصر کیا ہے۔ یہ تو تاریخی بات ہے۔ یسوع کی ذات سے یہ ایمان پیدا نہیں ہوا۔ پھر اسے عہد نامۂ جدید کیوں کہا جائے"؟

صلیب پرستی کوئی وادی نیل تک ہی محدود نہیں رہی۔ آج بھی آئرلینڈ کے کھنڈرات میں سے ایک صلیب نکلی ہے اور یہ کھنڈرات آج سے کئی ہزار برس پہلے کے ہیں اس پر جو مصلوب نظر آتا ہے۔ اس کے سر پر ایرانی تاج ہے۔ حالانکہ مسیحی تصاویر میں یسوع کے سر کو کانٹوں کے تاج سے مزین کیا گیا ہے۔ اس قسم کی صلیبیں جو زمانۂ قبل مسیح سے تعلق رکھتی ہیں کثرت سے یورپ کے مختلف ممالک میں پائی جاتی ہیں۔ گویا صلیب یا مصلوب کی تصویر یا اُن کے مجسمے ہزارہا برس سے کفار کے معبود چلے آتے ہیں۔ چوتھی صدی تک عیسائی مذہب کو کبھی صلیب سے تعلق نہیں رہا۔ بلکہ دوسری

تیسری صدی کے مُعلّمانِ مسیحیت کو تو صلیب سے ایک قسم کی نفرت تھی۔ اور وہ اسے مذہب کفار کا نشان ٹھیراتے تھے۔ مثلاً

پادری جسٹن کفار کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں +

تمہارے سب کے سب جھنڈے تو وہی تصویریں ہیں۔ جو صلیبوں پر نظر آتی ہیں تمہاری بدعلموں پر صلیبیں یا مصلوبوں کی شکلیں نظر آتی ہیں (کنگز بارڈ صفحہ ۱۶۶ و ۱۶۷) +

پادری نیوسس خلپ اپنی کتاب اکٹومبیس میں بیگنیوں کو طعنہ دیتے ہوئے ذیل کی عبارت لکھتا ہے اور کہتا ہے ۔ کہ تم نے صلیب کو خدا بنا رکھا ہے ۔ ہم لوگ تو صلیب کے پرستار نہیں ۔ یہ تو تم اسکی پرستش کرتے ہو ۔ تمہارے علموں جھنڈوں ۔ اور ہر ایک بات پر صلیب کا نشان ہے (ایضاً) +

کیں صلیب کی قدامت کے متعلق یہ شہادتیں قطعیّت کا پایہ نہیں رکھتیں ۔ جناب مسیح کے وقت تو صلیب کا وہم ہی ہو نہیں سکتا تھا۔ لیکن قبر سے نکل کر بھی اُنھوں نے صلیب کے تقدس کا ذکر نہیں کیا۔ نہ ہدایت فرمائی ۔ کہ صلیب کو میرے مذہب کا نشان ٹھیراؤ۔ نہ کسی آپ کے حواری نے صلیب کا اشارہ تک کیا۔ دوسری تیسری صدی کے مُقدس راہبوں نے صلیب کو

معبود کفار ٹھیرایا۔ پھر آج کس طرح اور کیوں یہی صلیب مسیحیّت کی جُزو مذہب بن گئی۔ آج تو مسیحیّت اور صلیب پرستی مُترادف ہو گئے۔ ہر ایک گرجے پر صلیب کا نشان ہے۔ ہر ایک مسیحی بھائی کے سینہ پر عموماً صلیب کی تصویر ہوتی ہے۔ جس بات کو دوسری تیسری صدی کے عیسائی بزرگ نفرت سے دیکھتے تھے۔ وہ آج کیوں باعثِ عزّت ہو گئی؟ مسیحی کلیسیہ میں صلیب مسُلّمۂ قسطنطین کی معرفت آئی۔ چنانچہ لکھا ہے۔ جیسے اُوپر بیان ہُوا۔ کہ ایک دن قیصر موصُوف نے اپنا ایک خواب بیان کیا۔ اور کہا۔ کہ مَیں نے آج رات صلیب کو آسمان پر دیکھا۔ جس پر خُداوند لٹکا ہُوا تھا۔ یہ بات تو سُورج پرستوں کے مذہب کی موروثی تھی۔ قسطنطین کا مُربّی اپالو (سُورج دیوتا) تھا۔ جو اُسے آئے دن تصاویر میں صلیب پر نظر آتا تھا۔ پھر منتظرانِ کلیسیہ اس فکر میں لگے ہوئے تھے کہ رواجات بیگن کو مسیحیت میں داخل کر کے اُسے ہر دلعزیز بنائیں۔ پھر کیا وجہ ہے۔ کہ صلیب اور صلیب پر لٹکا ہُوا مسیح

آہستہ آہستہ مسیحیّت کا ایک مُتمیّز نشان ہو جاتا۔ چُنانچہ قسطنطین کے اس خواب کے بعد ایسا ہی ہُوا۔ ہاں اب معلوم ہُوا۔ کہ اناجیل کے لکھنے والوں نے جو اصنامی تعلیم کے زیر اثر ہو چکے تھے۔ صلیبی واقعہ کو اُنھیں سے لیلیا۔ اور بعل کے واقعۂ مندرجۂ بالا کو انجیل میں لکھ دیا +

خُدا کے گوشت اور خُون کا کھایا جانا یا رسم عشائے ربّانی

عشائے ربّانی میں جو مُقدس عناصر یعنے شراب اور روٹی تقدیس کے بعد کھائی جاتی ہے۔ اس کے مُتعلق پر اٹسٹنٹ عقیدہ تو یہ ہے۔ کہ یہ ایک استعارہ ہے۔ لیکن کیتھولک عقیدہ یا یُوں کہو کہ پندرہ صدی تک کُل عیسائی دُنیا کا عقیدہ یہ ہی تھا کہ تقدیس یافتہ شراب اور روٹی حلق سے اُترتے ہی مسیح کا گوشت اور خُون ہو جاتی ہے۔ اور یہ خُون اور گوشت جب کھانے والے کے خُون اور گوشت سے جا ملتا ہے۔ تو مسیح کی معصُوم فطرت انسان کی فطرت میں حلول کر جاتی ہے۔ اسی لئے عشاءِ ربّانی کا

دوسرا نام ہولی کمیونین (مُقدس اتّحاد) رکھا گیا ہے۔ مَیں نے اوپر کئی دفعہ ذکر کیا ہے۔ کہ یہ رسم عشاءِ ربّانی کوئی نئی رسم نہیں۔ مسیح سے پہلے ہر ایک ابن اللہ کی یاد میں اسی طریق پر اور اسی عقیدہ سے روٹی کی تقدیس ہُؤا کرتی تھی۔ اور یہ رسم ادا ہوتی تھی۔ وہیں سے یہ رسم عیسائیت میں آ گئی۔ مثلاً اوسیرس (مصری ابن اللہ) کے دوبارہ زندہ ہونے پر اس کے پرستار عشاءِ ربّانی کی رسم مناتے تھے یعنی مقدس روٹی کھاتے تھے۔ جس پر پہلے کاہن تقدیس دیتا تھا۔ جس سے وہ اوسیرس کا گوشت ہو جاتی تھی ؛

ڈاکٹر فریزر نے اپنی کتاب گولڈن باؤ میں ایک امریکن قوم کا حال لکھتے ہُوئے بیان کیا ہے۔ کہ یہ لوگ دسمبر میں اپنے بڑے دیوتا کا ایک بُت خمیرے آٹے سے بناتے ہیں۔ اور اُسے توڑ کر کھاتے ہیں۔ غیر مسیحی اہل مکسیکو بھی عشاءِ ربّانی کی رسم اسی طرح ادا کرتے تھے۔ اور تو اور آج فادر گرویر نے تاتاری بُت پرستوں کا حال یُوں لکھا ہے:۔

مَیں بھی جسٹن شہید کی طرح بڑے زور سے کہتا ہوں۔ کہ شیطان تاتاریوں

میں کیتھولک کی پوری نقل اتارتا ہے۔ حالانکہ نہ وہاں کوئی عیسائی گیا نہ یوروپین۔ وہ عشاء ربانی شراب اور روٹی سے مناتے ہیں۔ یہ باتیں میں نے اپنی آنکھ سے دیکھی ہیں (انٹروڈکشن دی ہسٹری آف ریلیجنز مصنفہ جیون صفحہ ۱۴۸) +

پرانے عقاید کے مطابق جب خدا ہی نے بچھڑا یا قربانی کا کوئی جانور بن کر قربان ہونا تھا۔ تو پھر اُن کے گوشت میں لازماً یہ تاثیر مانی جائیگی۔ چنانچہ میکس مولر نے **ووڈن** خدائے اسکینڈے نیویا کا ذکر کرتے ہوئے خدائے مذکورہ کا ذیل کا مقولہ لکھا ہے۔ جو گناہ کے کفارہ میں خدا کے بشکل انسان مصلوب ہونے کے متعلق اس نے کہا "میں خود ہی پھانسی پر چڑھا تھا۔ مجھ کو ہی برچھی چبھوئی گئی تھی۔ میں نے خود ووڈن یعنے اپنے آپ سے یہ کہا تھا۔ کہ میں ایسا کرونگا" +

ایسا ہی کرشن جی فرماتے ہیں۔ میں خود ہی قربانی ہوں۔ یہ جو لوگ چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ وہ میں خود ہوں۔

ہندوستان کے دیوتا اندر سوم ہری مختلف جانوروں کی شکل

ہیں آکر نسل انسانی کے بچانے کے لئے قربان ہوئے ہیں -

شیوجی مہاراج فرماتے ہیں +

اصل چڑھاوے کا جانور تو میں خود ہوں - جسے تم میرے نمیج

پر ذبح کرتے ہو - وہ میں خود ہی ہوں" +

الغرض اگر ان باتوں پر غور کیا جائے - تو یہ نظر آتا ہے - کہ

ہر ایک بُت پرست قوم نے اپنی نجات کے لئے خدا کا مقتول یا

مصلوب ہونا ہی تسلیم کیا - اور اسے اپنے عقیدے میں داخل کیا -

جناب مسیحؑ تو زندگی بھر ان عقاید کے دشمن رہے - ہاں تیسری

چوتھی صدی میں آکر یہ باتیں کلیسیہ میں آگئیں - تو پھر مقام

غور ہے - کہ اسے عہد جدید کیوں کہا جائے :

فلسفۂ مسیحیت

جس طرح مذکورہ بالا امور پر کلیسیہ کو جدت کا ناز ہے -

اسیطرح کلیسیہ کی طرف سے مسیحی فلسفہ بھی ایک نئے رنگ میں

پیش کیا جاتا ہے - جس کا انکشاف بقولِ کلیسیہ یوحنا کی

ابتدائی آیت میں ہوتا ہے۔ وہ آیات حسب ذیل ہیں:۔

"ابتدا میں کلام تھا۔ اور کلام خدا کے ساتھ تھا۔ اور کلام خدا تھا۔ یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔ ساری چیزیں اسی کے وسیلہ سے پیدا ہوئیں۔ اور جو کچھ پیدا ہؤا ہے۔ اس میں سے کوئی چیز بھی اس کے بغیر پیدا نہیں ہوئی"+

اس موضوع پر تو میں نے اپنی کتاب ینابیع المسیحیت میں مفصل بحث کی ہے۔ لیکن اس کا خلاصہ میں یہاں دیتا ہوں۔ یہ امر آج ثابت ہو گیا ہے۔ کہ اس فلسفۂ کلام مثبتہ انجیل یوحنا کا موجد تو ارسطو تھا۔ لیکن بعد میں سکندریہ کے سکول فلسفہ میں قبل از مسیح یہ مسئلہ شد و مد سے تعلیم کیا گیا چنانچہ جن وجوہ پر یوحنا کی انجیل کا ماخذ اسے ٹھیرایا گیا ہے ان میں سے ایک بات یہی فلسفۂ کلام (لوگس) ہے یونانی لوگ قدیم سے ایک قسم کی تثلیث کو مانتے تھے۔ اس تثلیث کا ایک اقنوم کلام تھا۔ گویا پہلے تو خدا تھا۔ بعد میں اس کا کلام جس نے دنیا کو بنایا۔ جناب زرتشت بھی حسب بیان بالا

ایک تثلیث کے قائل تھے۔ باپ۔ بیٹا اور کائنات
اُس کی تثلیت کے اقانیم ثلاثہ یہی تھے۔ باپ سے اُنکی مُراد
خُدا تھی۔ بیٹے سے مُراد متھرا یعنے سُورج تھا۔ اور پھر متھرا السُورج
سے کُل دُنیا پیدا ہُوئی۔ یہ تثلیت زرتُشتی ایک علمی حقیقت
اپنے اندر رکھتی ہے۔ اور کلیسوی "تثلیث سے زیادہ معقول
ہے۔ آج سائنس اس بات کو تسلیم کرتی ہے۔ کہ زمین اور ما فیہا
اور ایسا ہی کائنات کے بہت سے سیارے اور ستارے سُورج
ہی سے نکلے ہیں۔ دُنیا میں کوئی چیز نہیں جس کی بنا سُورج سے
نہ ہُوئی ہو۔ اور سُورج سے وابستہ نہ ہو۔ بلکہ جو کچھ زمین میں
نظر آرہا ہے۔ وہ سُورج سے نکلا ہے۔ اگر یُوحنّا کی آیات
مذکورہ بالا میں کسی قدر ترمیم کے ساتھ لفظ کلام کی جگہ لفظ
سُورج رکھ لیا جائے۔ تو زیادہ صحیح ہوگا یعنی ابتدا میں سُورج تھا
سُورج خدا کے ساتھ ہُوا۔ اور سورج سے سب کُچھ پیدا ہُوا۔
کلام کو یُونانی میں لوگس کہتے ہیں۔ چنانچہ یونانی نسخہ یُوحنّا
میں کلام کا قائمقام غالباً لوگس ہی استعمال ہُوا ہے فلسفہ لوگس

گو ارسطو سے چلا۔ لیکن آہستہ آہستہ اس نے یونانی اور انکے پیروان اہل اسکندریہ میں بالکل وہی شکل اختیار کرلی جیسے یوحنا بیان کرتا ہے۔ یوں تو اس فلسفۂ لوگس پر لکھنے والے کئی ایک گذرے ہیں لیکن جناب مسیح سے ایک نسل پہلے ایک زبردست اسرائیلی حکیم فائیلو نام تھا۔ جس نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ اور انمیں فلسفۂ کلام کو بالتشریح لکھا ہے۔ چنانچہ ذیل کے اقتباسات انکی کتب سے مع حوالہ جات درج کئے جاتے ہیں:۔

خدائے ابدی کا ابدی کلام ہی تمام چیزوں کی بنیاد ہے (De Planatiion noc 1:351)

کلام ہی خدا کی تصویر ہے۔ کُل ذی عقل مخلوق سے وہی پہلے پیدا ہوا۔ وہ خدائے واحد کے ساتھ بغیر کسی فرق کے بیٹھا ہوا ہے (De p2ofagis, 1, 16, 561) وہی اس کا پہلوٹا بیٹا ہے۔

(De Agric 1: 308) خدا نے اپنے کلام کو جو سب سے اعلےٰ قدیم ہے۔ یہ عزت دی کہ وہ خالق و مخلوق میں سفارشی اور شفیع ہے (Quis Recim Diviu Hares 50)

کلام خدا کے آگے وکیل ہے۔ وہی شفیع وہی رسول ہے۔ وہی سب چیزوں پر حکمران ہے (ایضاً صفحہ ۵۰۱ و ۵۰۲) وہی نجات دہندہ ہے۔ وہی گنہگار روح کی قیمت یا تاوان ہے (De Confus Ling 1:45) کلام ہی تمام حکمت کا سرچشمہ ہے جس سے پانی پی کر انسان موت کی جگہ حیات ابدی پاتا ہے (De p2ofugis 1: 560, 31)

کلام ہی بڑا کاہن اور ہر گناہوں سے پاک ہے۔ کیونکہ وہ آسمانی پیدائش سے ہے (ایضاً ۱: ۵۶۲،۱۳)

وہی آزاروں سے نجات دہندہ ہے۔ یعنی شفا دہندہ ہے (De Leg Alleg 1:22,17)

کلام فرشتوں سے بھی پہلے ہوا۔ اس کے بہت سے نام ہیں۔ مثلاً حکم۔ خدا کا نام۔ کلام انسان کی تصویر

(De Confus Ling 1:427) خداوند نے اپنے پہلوٹے بیٹے یعنے کلام کو اپنے مقدس گلے کی

حفاظت کے لئے مقرر کیا وہی اس کا نائب ہے (De Agric 1: 308) **کلام**

کاہن اور خدا کا **پہلوٹا** (De Somnis (1:653) وہی اس کے مقدس

گلے کا گڈریا ہے (De Agric. 1: 308) وہی خدا کا **ترجمان** ہے۔

(De Legis Allegor, III: 73) وہی اس کی تصویر ہے۔ اسلئے وہ

خدا سمجھا گیا (De Somnis 1:40,41) وہی آسمانی روٹی ہے (De Leg Alleg 1:120,31)

کلام مقدس بڑا **کاہن** اس کا سر مسح کیا گیا (De Somnius 1:73,12)

ہر اک انسان کیلئے جو باپ کے احکام بجالانا ضروری ہے کہ وہ اسکے بیٹے کے پاس جائے جو **وکیل** ہے

تا کہ اس انسان کے گناہ بخشے جائیں (De Exceerationibus, II: 435,29)

کلام ہی دنیا کی روشنی ہے۔ اس کا پیارا بیٹا ہے (De Somnios, 106,414; 18)

میں چاہتا تو یہاں بہت سے اور حوالجات دیدیتا۔ لیکن یہ چند حوالے

ہی آپ کے سوچنے کیلئے کافی ہیں۔ کیا سارے کے سارے فلسفۂ کلام

کا ماخذ جسے یوحنا نے لکھا۔ اور جس پر کلیسیہ نے بہت کچھ ازدیاد کیا مذکورہ بالا اقتباسات نہیں؟ کیا جو کچھ عقیدہ جناب مسیح کے متعلق آج مانا گیا ہے۔ اُسے حکیم فائیلو نے کلام کے متعلق نہیں لکھا مثلاً آج کلیسیہ نے ذیل کے نام جناب مسیح کے تجویز کئے اور آپ غور فرمائیں۔ کہ وہ کونسا نام ہے۔ جو حکیم فائلو کے مذکورہ بالا کتب میں نظر نہیں آتا۔ کہ جس سے اس نے کلام کو موسوم کیا۔ وہ نام حسب ذیل ہیں :۔

خدا کا کلام۔ دوسرا خدا۔ خدا کا پلوٹھا بیٹا۔ خدا کے ساتھ بیٹھا ہُوا۔ خدا کے ساتھ بلا فرق تخت پر بیٹھا ہُوا۔ خدا کی تصویر۔ خدا کا ترجمان۔ مخلوق اور خالق میں منجی۔ شفیع یا نجات دہندہ۔ خدا اور انسان میں واسطہ۔ رُوحانی طبیب یا شفا دہندہ۔ ابدی حیات کا پانی پلانے والا۔ زندگی کی روٹی۔ مُقدس اُسوہ۔ خُدا کا نائب۔ مقدس گڈریا۔ خدا تک پہنچانے والا۔ گناہ کی قیمت۔ سب چیزوں پر حکمران

خود خدا۔ گناہوں سے معصوم۔ بڑا کاہن۔ دُنیا کی روشنی۔ خدا کا پیارا بیٹا +

اب آپ ہی غور فرمائیں۔ کہ کلیسیا کی تعلیم میں کونسی بات ہے۔ جو ہم الہامی سمجھیں۔ کیونکہ ہر ایک چیز کا ماخذ بیگن مذہب یا اس کے مصنّف نظر آتے ہیں۔ جو مسلّمۃً الہامی نہ تھا۔ بلکہ بقول جسٹن شیطانی تھا۔ نہ یہ مُصنّف ملہم تھے۔ ہمیشہ خُدا اور خدا کے رسولوں کی یہ شان رہی ہے۔ کہ ان کی تعلیم میں کبھی کوئی ایسی بات نہیں ہوا کرتی جو کسی کافرانہ امر سے ملتی جلتی ہو۔ اور اسکی غرض یہ ہے کہ حق و باطل مخلوط نہ ہو جائے۔ یہاں تو ہر ایک بات اپنی اصلی شکل و صورت میں بغیر کسی تبدیلی کے قدیم کفار سے لیگئی ہے۔

بعض وقت ان معماران کلیسیہ کی سمجھ پر مجھے حیرت آتی ہے۔ کہ اگر انھوں نے مذہب کفار ہی کی باتیں اپنے مذہب میں لاتی تھیں تو کسی عقل و ہُنر سے کام لیتے نہ یہ کہ بغیر کسی قسم کی تکلیف کے کفار کی کُل کی کل باتیں مسیحیت میں لا داخل کیں۔ اول تو یہ بات جسے کہ میں نے اوپر لکھا۔ اسلئے کی گئی تھی۔ کہ کفار کو مذہب مسیحی کوئی

نیا مذہب نظر نہ آئے۔ اور مسیح کا نام مقبول عام ہو جائے لیکن
جب نتیجہ اُلٹا نکلا یعنی کفار نے کلیسوی تعلیم میں کوئی بات نئی
نہ دیکھی۔ اسلئے اُسکو قابل اعتنا نہ سمجھا۔ تو پھر تلوار سے کام لیا گیا۔
کلیسیہ بنانے والوں کو چاہیئے تھا۔ کہ جہاں مُعلّمان مذاہب قدیمہ کو قتل کیا
تھا۔ جہاں کُتب خانوں کو جلایا تھا۔ وہاں اور آثاروں کو بھی مٹا دیتے۔
خاتمہ پر برق کی نظم لکھنے سے پہلے میں ان صفحات کا ایک مختصر سا خاکہ
لکھ دیتا ہوں۔ اور اب پھر آپ بتلائیں۔ کہ کونسا آپ کا عقیدہ ہے
یا کونسی آپ کی روایت ہے جو بیگن مذہب میں موجود نہ تھی۔ اگرچہ ان
امور کا بار بار تکرار ہوا ہے لیکن مذہب کچھ ایسی پیاری چیز ہے۔ اور
اس کی غلط تعلیمات بھی کچھ ایسی مرغوب خاطر ہوتی ہیں۔ کہ وہ
آسانی سے ترک نہیں کی جا سکتیں۔ نہ بری معلوم ہوتی ہیں۔ خواہ
وہ بالبداہت غلط ثابت ہو جائیں۔ اس لئے خدا کے کلام نے
بھی بعض صداقتوں کو بہ تکرار بیان کیا ہے۔ اور میں بھی اسکی اتباع
کرتا ہوں۔ مثلاً مذکورہ بالا تعلیمات قبل مسیح کا خلاصہ ذیل کے چند
الفاظ میں آسکتا ہے۔ یعنے بیگن مذہب کا مشترک عقیدہ حسب ذیل تھا۔

دُنیا گناہ سے بھر چکی تھی ۔ جس سے نجات اسی صورت میں ہو سکتی تھی ۔ کہ خود خدا زمین پر آئے ۔ اور اپنے خون سے گناہ کی قیمت دے کر انسان کو نجات ابدی عطا کرے ۔ اس لئے اس نے کنواری کے پیٹ سے جنم لیا ۔ اسکی ولادت ۲۵ دسمبر کو ہوئی ۔ اسکی ولادت پر آسمان سے آواز آئی ۔ وہ ابن اللہ تھا جو صغر سنی میں تو تائب رہا ۔ لیکن جوان ہو کر اس نے تعلیم و تلقین شروع کی ۔ اس کا پہلا معجزہ شراب ہی تھا ۔ اس کے حواری بارہ تھے ۔ وہ ایک جگہ قیام نہیں کرتا تھا ۔ بلکہ مختلف جگہوں میں پھر کر تعلیم دیتا تھا ۔ تعلیم میں اس نے سختی کو روا نہیں رکھا ۔ بلکہ ملائمت سے کام لیا ۔ ایک شاگرد نے اُسے گرفتار کرایا ۔ اس پر مقدمہ بنا جس کی بناء پر وہ مصلوب ہُوا (قتل ہُوا) قتل کا یا مصلوب ہونے کا دن جمعہ (گڈ فرائیڈے) کی سہ پہر تھی ۔ جہاں اُس کے پہلو کو چھیدا گیا ۔ جس میں سے خون نکلا ۔ خون کو عورتوں نے صاف کیا ۔ بعد میں قبر میں ڈالا گیا ۔ دو دن قبر میں رہا ۔ ایسٹر سنڈے کو وہ مُردوں میں سے اُٹھا آسمان پر واپسی کے وعدے پر چلا گیا ۔ اسکے

مذہب میں بپتسمہ کے ذریعہ نئے مُرید شامل ہوتے تھے۔ اسکی معبد
میں ایک مقدس حوض تھا۔ جِس کے پانی سے بپتسمہ دیا جاتا تھا
اس کے مذہب میں بڑے دو تیوہار تھے۔ ایک کرسمس اور
ایک ایسٹر۔ اُس کی موت کی یاد میں رسم عشاء ربانی منائی گئی
وہ انسانوں کا گلہ بان اور گڈریا تھا۔ ایساہی وہ خدا کا
پیارا فرزند تھا۔ اس کی والدہ کا نام **اور لیڈی** (ہماری
خاتون) یا کوئین آف ہیوینس (خاتون جنّت) تھا۔ جو اُسے لئے کھڑی ہے
وہ اصطبل میں پیدا ہُوا۔ اس کے مُتعلّق صلیب کی پرستش ہوتی
ہے۔ اس کی ایک شکل بچھڑا کی تھی۔ اُسی کے خون سے اور
اُس پر ایمان لانے سے نجات ہوتی تھی۔ وہی خدا کے آگے دُنیا
کا منجی اور شفیع تھا وغیرہ وغیرہ +

یہ تو پُرانا عقیدہ پیگن مذہب کا اپنے معبود کے مُتعلّق
تھا۔ جو کُتب و اسناد قدیمہ سے ثابت ہو چُکا ہے۔ اب اگر
صُورت حال یہ ہے۔ جیسا کہ اُوپر ثابت ہو چکا۔ اور اسمیں سے
بہت سے حصہ کا ذکر انجیل میں نہیں ہے۔ اور کچھ تھوڑا سا ہے۔ تو

انجیلیں اُس وقت لکھی گئیں۔ جب عیسائی راہبٹ بیگن مذہب کی باتوں کو اپنے اندر لا رہے تھے۔ تو اب کیا کیا جائے۔ آپ خُود ہی کوئی راہ مُتمیّز پیدا کریں +

مَیں نے اُوپر ذکر کیا ہے۔ کہ بڑے سے بڑا اعتراض جو میری کتاب پر کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ جن ہستیوں سے متعلّق میں ان امُور کا ذکر کرتا ہوں۔ وہ کبھی دُنیا میں نہ تھیں۔ وہ وہم اور تخیل شاعرانہ نے پیدا کیں۔ اور جناب مسیح ایک حقیقی ہستی ہیں جنھیں میں بھی برُوے قرآن شریف مانتا ہوں۔ اگرچہ اس اعتراض کا جواب میں ان صفحات میں دے چکا ہوں۔ لیکن یہاں میں ایک تاریخی شخصیّت کا ذکر کرتا ہوں۔ جو جناب مسیح سے پانچ سو برس پہلے دُنیا میں تشریف لائے۔ اور ایک بڑے بھاری مُروّجہ مذہب کے بانی ہیں۔ یعنے عارف باللہ حضرت بُدّھ علیہ السلام اُن کے متعلّق بھی بہت سی روایات بُدّھ مذہب کی کتابوں میں آج پائی جاتی ہیں۔ وہ صحیح ہوں یا غلط۔ وہ روایات قبل مسیح دُنیا میں تھیں۔ اور آج مسیحی مذہب میں پائی جاتی ہیں۔ میرے نکتہ چین

اس واقعہ کی تشریح کیا فرمائیں گے۔ لکھا ہے۔ کہ جناب بُدّھ آسمان سے اسلئے نازل نہیں ہوئے۔ کہ وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کریں۔ بلکہ انسانوں کے دُکھ میں شریک ہوں۔ آپ کی والدہ بھی جناب مریم کیطرح کوشادی شدہ تھیں۔ لیکن آپ کا حمل اپنے باپ کے توصل کے بغیر ہُوا۔ خواب میں آپ کی والدہ کو ایک سفید ہاتھی نظر آیا۔ جو اُن کے شکم میں چلا گیا۔ دوسرے دن بلا تعلق شوہر وہ حاملہ پائی گئیں۔ وضع حمل میں بُدّھ تخیل۔ عیسائی تخیل سے بہتر نظر آتا ہے۔ جناب بُدّھ جناب مسیح کی طرح مقررہ راستہ سے پیدا نہیں ہوئے۔ بلکہ داہنی پسلی سے نکلے والا ان کا حمل جناب مسیح کی حمل سے ملتا جلتا ہے۔ جناب بُدّھ نے چند ماہ کا روزہ رکھا۔ روزہ رکھنے کے بعد شیطان نے ان کی آزمائش کی۔ جو کچھ آزمائش مسیح میں شیطان نے پیش کیا۔ وہ بھی جناب بُدّھ کے پیش ہوا۔ اس کے علاوہ شیطان نے اپنی لڑکیاں بھی دینی چاہیں۔ جناب بُدّھ نے شیطان کی باتوں کو نفرت سے دیکھا جناب بُدّھ آسمان پر بھی گئے۔ لیکن آسمان سے اپنی زندگی ہی میں

گنہگاروں کے گناہ بخشوا کر واپس آ گئے۔ بُدّھ کے معجزات میں پانی یعنے دریا گنگا پر چلنا۔ عناصر پر حکومت کرنا وغیرہ وغیرہ نظر آتا ہے۔ یسوُع کے متعلق تو سانپ کا کچلنا کسی واقعہ کی بناء پر نہیں لکھا گیا۔ لیکن جناب بُدّھ نے سانپ (شیطان) کو مارا۔ یہ سب کے سب امور کُتب بُدّھ مذہب کے علاوہ دھاتی تصاویر پر موجُود ہیں جنہیں میں نے پشاور کے میوزیم میں دیکھا ہے +

ان واقعات کے علاوہ بُدّھ کی تعلیم مسیحی تعلیم میں نظر آتی ہے اضاحی خداؤں کے تو صرف نام اور بعض کے چند الفاظ مثلاً۔ میرا پیارا بیٹا۔ منجی۔ شفیع۔ الفا۔ اومیگا وغیرہ مسیح کے القاب و الفاظ میں نظر آتے ہیں۔ لیکن جناب بُدّھ کی مُنہ سے بولی ہوئی۔ بعض تماثیل ساری کی ساری تماثیل مسیح میں موجود ہیں۔ اسی طرح جناب مسیح کے بعض اقوال و نصائح بھی بُدّھ کے کلام سے ماخوذ نظر آتے ہیں۔ یہ حقیقت کچھ اس قدر بیّن ہے۔ کہ جب چین میں جہاں کا مذہب بُدّھ ہے۔ مسیحی پادری پہلے گئے۔ اور انھوں نے ان باتوں کو بُدّھ کے حالات میں پایا۔ تو ناواقفی کے باعث جھٹ بول اُٹھے کہ بُدھ مذہب تو

عیسویت کا سرقہ ہے۔ جس نے یہ امر تو فیصلہ کر دیا کہ دونوں مذاہب کے واقعات بہت حد تک ایک ہی ہیں۔ اس نئے انکشاف کا ذکر اُنھوں نے یُورپ میں بڑے فخر سے آ کر کیا۔ لیکن اُن کی ندامت کی بھی کوئی حد نہ رہی۔ جب اُنھیں بتلایا گیا۔ کہ جنابِ بُدّھ حضرت مسیحؑ سے پانصد برس پہلے پیدا ہُوئے ہیں۔ اور حضرتِ مسیحؑ کے وقت جنابِ بُدّھ کی تعلیم و روایات باختر بلخ سے چل کر یہودیہ تک پہنچ چکی تھیں۔ بہر حال بُدّھ ایک تاریخی ہستی ہے۔ اور شاعرانہ تخیل کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ تاریخاً بُدّھ کی ہستی جنابِ مسیحؑ کی ہستی سے زیادہ قابلِ اعتبار ہے۔ پھر بُدّھ کے واقعات کسطرح مسیحیت میں آ گئے؟

اس موقعہ پر بعض اصحاب نے قرآن پر بھی اعتراض کیا ہے کہتے ہیں۔ کہ قرآن نے بھی جن اسرائیلی انبیاء کا ذکر کیا ہے وہ پہلے سے بائیبل میں موجود ہیں۔ میں اس اعتراض کا مناسب جواب تو بخوفِ طوالت نہیں دیتا۔ وہ خلطِ مبحث کا موجب ہو گا۔ لیکن اس بات سے تو اعتراض زیرِ بحث دُور نہیں ہو سکتا

قرآن کریم نے اگر بعض پیغمبروں کے متعلقہ واقعات وہی
بیان کئے جو توریت میں ہیں تو قرآن نے تو اُن واقعات کو
اُنھیں بائبلی پیغمبروں کے نام پر بیان کیا۔ ان واقعات کو
بانئ اسلام علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات پر تو چسپاں نہیں
کیا۔ لیکن کلیسیہ نے تو وہ کام کیا جسے آپ بھی پسند نہ کرینگے
جو واقعاتِ میتھرا۔ اپالو۔ بکس۔ کوئٹزل کوٹل۔ ہورس۔
ایڈونس۔ بعل وغیرہ کے تھے۔ وہ جناب مسیح کی زندگی کے
متعلق بیان کر دیئے۔ قرآن نے یہ تو نہیں کیا۔ کہ جناب موسےٰ
یا عیسیٰ یا دیگر انبیاء کے واقعات ومعجزات حضرت محمدؐ کے
نام پر ظاہر کئے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کیا کہ بائبلی واقعات کو دُہرا دیا
حالانکہ قرآن کا ایک مقصد تصحیح بائیبل ہی تھی۔ لیکن اگر یہ
بھی نہ سمجھا جائے۔ تو یہ تو مؤرخانہ حیثیت میں ہوا کرتا ہے
لیکن کلیسیہ نے تو واقعات متعلقہ کے اصل وارثوں کا نام تک
مٹا کر اُنھیں یسُوع کے متعلّق بیان کر دیا۔ ان جوابات سے تو کوئی
تشفّی بخش تشریح نہیں ہوتی۔ بلکہ ان سے تو ثابت ہوتا ہے کہ

کلیسوی مذہب کا ماخذ پیگن مذہب ہے۔ قرآن نے جو کہا صحیح کہا۔ خواہ اُسے الہامی مانا جائے۔ یا غیر الہامی جن بزرگوں کے واقعات تھے۔ اُن کے نام پر بیان کر دیئے۔ اوّل تو ایسے الزامی جواب کی کوئی حقیقت نہیں ہوا کرتی۔ یہ تو گویا اعتراض کو تسلیم کر لینا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اگر اس جواب کی کوئی حقیقت تھی۔ تو یہ ایک مصدق قرآن کے مقابل ہی پیش ہو سکتا ہے۔ مگر جو قرآن پر بالفرض ایمان ہی نہ رکھتا ہو۔ اُسکی تشفّی کیلئے اس جواب میں کون سے سامان ہیں۔ کہ اگر کلیسیہ نے پیگن سرمایہ سے اپنی زیب و زینت کی۔ اور قدیمی روایات مذہب اصنام کو اپنے اندر لیلیا تو قرآن نے بھی تو بائبل سے بعض واقعات کو اپنے اندر داخل کیا۔ حالانکہ دونوں کی نوعیّت بالکل جُدا گانہ ہے۔ قرآن تو تاریخی واقعہ کو بصورت واقعہ پیش کرتا ہے۔ اور اسمیں نہ کوئی عیب ہے نہ سرقہ۔ لیکن کلیسیہ قدیمی قصّہ کہانیوں کو لے کر اُن کے مُتعلّق افراد کے نام تو مٹا دیتا ہے۔ اور ان واقعات ماخوذہ کو اپنی ممدوح ہستی کے ضمن میں بیان کر دیتا ہے۔ بہرحال کوئی

صورت ہو۔ اس جواب سے یہ امر فیصلہ ہو گیا۔ کہ کلیسوی تعلیمات کا کُل کا کُل سرچشمہ الہامی نہیں۔ بلکہ مذہب اصنام ہے جسکی بُنیاد تخیل انسان تھا۔ اگر میں اس نتیجہ میں غلطی کرتا ہوں۔ تو آپ للہ مجھے اس غلطی سے اطلاع بخشیں۔ سابقہ کتاب

ینابیع المسیحیّت

کے متعلّق مجھ پر یہ اعتراض بھی کیا گیا ہے۔ کہ میں حضرت استاذی سیّدنا مسیح کی ہستی سے ہی منکر ہوں۔ یہ امر بالبداہت ایک قسم کا اتہام ہے۔ وہ کتاب ہی ببانگ بلند کہتی ہے۔ کہ میں انکی پاک ہستی کا تو قائل ہوں۔ لیکن انھیں ان واقعات سے پاک دیکھنا چاہتا ہوں۔ جو قدیمی راہبوں نے عیسوی مذہب کو رومی اور یونانی لوگوں میں مقبول و ہر دلعزیز بنانے کے لئے اس پاک مذہب میں لا شامل کئے۔ نظم ذیل میں کس خوبصورتی سے حضرتِ برق گنجوی نے اس امر کو لکھا ہے :۔

یہ جملہ مسائل تو ہیں اُن کے جنہیں آج
اِک وجہ موجّہ سے کلیسا نے لیا ہے

یعنے کہ تو اصنام پرستوں میں ہو مقبول
یہ جرم کلیسہ سے محبت میں ہوا ہے

(اے سیدنا مسیحؑ)

وہ عیب نہیں عیب جو ہو خوبی کی خاطر   اس تھیوری کو یورپ نے تہی وضع کیا ہے

آخری شعر میں حضرتِ برق اس مغربی نظریہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ کہ اچھے نتائج سے اسباب خواہ مکروہ ہوں۔ جائز ہو جاتے ہیں اس مذہب کے اخلاقی نظریہ کا منشئے تو جیسو ایٹ مسیحیوں کا یہ اصول ہے۔ کہ جس قدر گناہ کرو۔ اسی قدر فضل خدا وند بڑھتا ہے اور گرجا کی بہتری کے لئے ہر بدی نیکی ہے۔ ان سب تعلیمات کے اُستاد تو حضرت پولوس ہیں۔ پھر بھی اُنکی تصنیف کو رُوح القدس کی تعلیم قرار دیا جائے۔ تو مقامِ حیرت ہے۔ کہ مجھ پر ایک یہ اعتراض بھی کیا گیا ہے۔ کہ میں نے ینابیع المسیحیّت میں ان مصنّفین کا حوالہ دیا ہے۔ جو مسیحیّت کے دشمن یا اس سے منحرف ہو چکے ہیں۔ یہ امر صحیح ہے۔ کہ اُن لوگوں میں سے اکثر ایسے ہی ہیں لیکن اگر تو عیسائیت کے متعلق میں نے اُن کی رائے کا حوالہ دیا ہو یعنی یہ کہا ہوتا۔ کہ یہ مصنّف اپنی رائے کی بناء پر عیسائیت کو پگین مذہب سے نکلا ہوا سمجھتے ہیں۔ تو یہ اعتراض بالکل صحیح ہوتا۔ کیونکہ یہ لوگ مسیحیّت کے دشمن ہیں۔ مگر میں نے تو صرف اسی قدر لکھا ہے۔ کہ

فلاں فلاں واقعات ان مُصنّفین کی کتابوں میں قدیمی حوالجات کی بناء پر درج ہیں۔ سوال زیر غور یہ نہیں۔ کہ ان باتوں کو لکھنے والے کون ہیں۔ امر فیصلہ کُن یہ ہے۔ کہ جن واقعات کو یہ لکھتے ہیں وہ صحیح ہیں یا نہیں۔ اگر تو ان واقعات کی صحّت کا حصر صرف ان مُصنفین پر ہوتا تو اعتراض بجا تھا۔ لیکن وہ واقعات تو مُسلّمہ ہیں۔ خواہ اُن کا لکھنے والا کوئی ہو۔ اگر کل کوئی شخص یہ کہدے کہ واقعات متدرجہ ینابیع المسیحیّت اسلئے قابل اعتبار نہیں کہ ان کا لکھنے والا خواجہ کمال الدین ہے۔ اور وہ عیسائیت کا مُسلّمہ مخالف ہے۔ تو یہ تو کوئی جواب نہیں۔ اگر واقعات مُبینہ کتاب خواجہ صحیح ہیں۔ اور ریورنڈ پارسنز جن کا ذکر اس کتاب میں ہے۔ اور جنھوں نے ایک کتاب موسومہ بہ "ہمارا سُورج خُدا" لکھی ہے۔ وہ کلیسوی مذہب سے ایک پادری تھے۔ لیکن اُن کی تحقیق نے انھیں قدیمہ عقائد سے منحرف کردیا۔ یہی حال جدید مُصنّف ایڈورڈ کارپنٹر کا ہے۔ تو جو واقعات اُنھوں نے اپنی تصانیف میں لکھے ہیں صحیح ہیں۔ تو سوال ختم

ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے اعتراض یُورپ میں میری تصنیف پر نہیں ہوئے۔ یہ باتیں میں نے یہاں کے بزرگوں سے سُنیں۔ اہلِ مغرب ان باتوں کو مہمل سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے۔ تو یہی ہو سکتا ہے۔ کہ میرے بیان کردہ واقعات صحیح ہیں یا غلط۔ کسی یُوروپین تنقید کرنے والے نے بلکہ یہاں بھی ان واقعات کی صحت کا انکار نہیں کیا۔ لہٰذا معاملہ ختم ہو گیا۔ کسی سے چلتا فقرہ میں نے یہ بھی سُنا ہے کہ میں نے حوالہ دینے میں بعض کُتب کے صفحات کی تعین غلط کی ہے۔ میری عدم صحت نے مجھے اس قابل نہیں چھوڑا۔ کہ میں اس اعتراض پر غور کر سکوں لیکن بالفرض اگر ایسی غلطی سہواً ہو بھی گئی ہو۔ تو اس کا کیا اثر امر واقعہ پر ہو سکتا ہے۔ جب واقعات صحیح ہیں۔ اس وقت جو فرقہ جدیدین (موڈرنسٹ) یا یُونی ٹیرین ان معاملات میں میرے ہمنوا ہیں۔ تو میں تو ان کی سند نہیں لیتا بلکہ ان کی سند تو قدیمی کُتب پیگن یا کُتب تنجم یا کھنڈرات وغیرہ ہیں +

الغرض یہ تو اب تسلیم ہو چکا ہے۔ کہ جن واقعات کو میں نے

یہاں خلاصتہً لکھا ہے۔ یا حضرت برق نے نظمبند کیا ہے۔
وہ امور قبل از مسیح علیہ السلام پیگن مذہب میں موجود تھے۔
لہذا ان مسلمات کے بعد ہم کیوں انھیں جزو مسیحیت قرار دیں
غالباً جناب غلام مسیح صاحب (لاہور) نے اس کتاب پر تنقید
کرتے ہوئے یہ صحیح لکھا ہے۔ کہ الہام انجیل اُس بارش کیطرح
ہے۔ جو پہاڑوں پر ہوئی اور جس میں بہت سے گندے نالے
آملے۔ قرآن کریم نے بھی سورۂ نحل میں یہی لکھا ہے۔ اور
قرآن کے نزول کی وجہ بھی یہی بتاتی ہے۔ کہ اس کے ذریعے
الہام الٰہی کا اصلی پانی گندے پانی سے متمیز ہو جائیگا۔ میری
غرض بھی تو یہی ہے۔ کہ الہام حضرت مسیح علیہ السلام کے پاک
اور شفاف پانی میں مذہب پیگن کا ایک بسیط اور بھاری
گندہ نالہ آملا ہے۔ مگر خدا کا شکر ہے۔ کہ وہ گندہ نالہ
آج بیّن طور پر نظر آرہا ہے۔ اور اس کے گندے پانی کو
فلٹر کرنے کے سامان بھی اس وقت موجود ہو گئے ہیں۔ آپ وہی
پانی پئیں جو آقائے نعمت سیّدنا مسیح علیہ السلام کے ذریعہ آسمان

سے نازل ہؤا مگر اس گندے پانی کو خراب نالیوں اور آبریزوں میں پھینک دیں جن کا سرچشمہ پیگن مذہب ہے۔ اب میں سید لعل شاہ صاحب برق کی نظم درج کرتا ہوں۔ اس کے ان اشعار پر میں نے فٹ نوٹ ایزاد کر دیئے ہیں۔ جن میں پیگن مذہب کے بعض واقعات و مسائل یا اس کے معبودوں کی طرف اشارہ ہے۔ ایسا ہی میں نے بعض مسائل زیر بحث کی بھی تشریح کر دی ہے۔ جن کا ذکر برق صاحب اپنی نظم میں کرتے ہیں۔ جو احباب اس نظم کے پڑھنے سے پہلے اوراق سابقہ کو پڑھ لینگے۔ تو ان کے لئے یہ اشعار امر بین ہو جائینگے۔ اور ان کے سمجھنے میں سہولت ہو جائیگی +

عرض حال از دردمند رق

بجناب سیدنا حضرت مسیح علیہ السلام

اے وہ کہ تیری ذات وجیہہ[1] دوسرا ہے
اے وہ کہ تجھے کلمۂ حق[2] حق نے کہا ہے

اے وہ کہ تو بہتان یہودی کے علی الرغم[3]
ظاہر ہے اور اک طاہرہ نے تجھ کو جنا ہے

الزام سے ماں بیٹے کی فرمائی برائت
یہ کہہ کے کہ تو کلمۂ حق۔ رُوحِ خدا ہے

تطہیر تری اور تری ماں کی ہے اسمیں
تجھ کو جو بری لمس[5] سے شیطاں کے کہا ہے

تو کلمۂ شیطان[6] ہے۔ کہتا ہے یہودی
واللہ یہ بہتان ہے۔ یہ جھوٹ کھلا ہے

---

[1] قرآن کریم جناب مسیح کو وجیہہ فی الدنیا والآخرہ کہا یعنے آپ یہاں اور آیندہ دونوں جہان میں وجیہہ ہیں از [5] لغایت [6] قرآن نے جناب مسیح کی شان میں روح اللہ اور کلمۃ اللہ فرمایا۔ حدیث میں آیا ہے۔ کہ آپ اور آپ کی والدہ مس شیطان سے پاک تھے۔ ان الفاظ سے مسیحی مناددوں نے الوہیت مسیح پر استدلال کیا۔ اول تو یہ سوچنا چاہئے۔ کہ جس کتاب میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔ اسی نے بشدومد الوہیت مسیح کی تردید کی۔ گویا ان الفاظ کو الوہیت مسیح کے ثبوت میں نہیں بیان کیا۔ قرآن کریم اور ایسا ہی حدیث کا بھی انداز یہ ہے۔ کہ مختصر سے ایک دو لفظوں میں بڑے بڑے

اے وائے صد افسوس میرے پیارے مسیحا　　کیا حشر ترے دین کا اُمت نے کیا ہے
تو بیخ کنِ شرک۔ تیرا وعظ تھا توحید　　پیرو تیرے کہتے ہیں کہ تُو آپ خُدا ہے
سجدے میں جبیں تیری رہا کرتی تھی اکثر　　پیہم ہی دُعاؤں میں تیرا وقت کٹا ہے
پر آج یہ کیا قہر ہے یہ کیسا غضب ہے　　ہے شرک میں توحید تُو ہر عیب نرا ہے
ٹھہرایا ہے اُمت نے تیری تجھ کو ہی مسجود　　اور تُو ہی دُعاؤں میں پکارا بھی گیا ہے
ملعون[۱۵] بھی ناری بھی تجھے کہتے ہیں ناداں　　ہے یہ بھی عقیدہ۔ تُو خدا۔ ابنِ خُدا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۴۔ حقائق کو بیان کر دیا جاتا ہے۔ یہودیوں نے جناب مسیحؑ اور آپ کی ولادت کے متعلق اتہام قائم کئے ہوئے تھے۔ ان کے ہاں حرام کا بچّہ گویا کلمۂ شیطان رُوحِ شیطان یا شیطانی سمجھا جاتا تھا۔ لوگ حضرت مسیحؑ کی ذات پاک پر طرح طرح کے الزام لگائے ہوئے تھے۔ قرآن کریم نے ان سب الزامات کا جواب دو تین لفظوں میں دیدیا۔ جناب مسیحؑ کے متعلق تو یہ کہا۔ کہ وہ کلمۂ شیطان یا رُوحِ شیطان نہیں بلکہ کلمۃ اللہ یا رُوح اللہ ہیں اسی طرح حدیث نے شہادت دی کہا کہ سیدنا مسیح اور آپ کی والدہ مطہرہ شیطانی نہیں ہو سکتے۔ یعنے وہ اُن امورِ شنیعہ کے ملزم نہیں ہو سکتے۔ شیطانی کیا۔ ان دونوں کو تو شیطان نے چھوا تک نہیں۔ چنانچہ اسی لئے جناب مریم کو صدیقہ کہا ہے۔ از رُوئے تعلیم قرآن اولادِ آدم میں سے ہر ایک میں خدا کی رُوح ہے۔ اور ہر ایک خدا کی مخلوق۔ اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہے (سورۃ کہف) +

۱۵ مسیحی عقیدہ یہ ہے۔ کہ ہمارے گناہ کی باعث۔ یسوع ملعون ہوا۔ پھر دو دن دوزخ میں رہا اسکی ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ وہ دوزخ میں جاکر اپنے زمانے سے پہلے لوگوں کی اصلاح کریں +

تو کہتا تھا ہم جتنے ہیں سب ابنِ خدا ہیں — خالق نے ہمیں شرع کا پابند کیا ہے
پر قوم تری کہتی ہے لعنت ہے شریعت — جس سے کہ ترے خون نے آزاد کیا ہے
تا شرع پہ چلنے سے رکے خلق خدا کی — اس واسطے کہتے ہیں تو سولی پہ چڑھا ہے
جز تیرے نہیں اور کوئی دوسرا ہرگز — اکلوتا فقط ایک تو ہی ابنِ خدا ہے
تعلیم عمل نیز ترا خطبۂ کوہی — لاشے ہے تیرے خون نے بیکار کیا ہے
مشرق میں کبھی تو نے مجازاً جو کہا تھا — مغرب نے اسے آج حقیقت میں لیا ہے

---

۵۱ مسیح کی دعا میں "اے ہمارے باپ" کا فقرہ یہی کہتا ہے۔ کہ ہم سب خداوند کے بیٹے ہیں۔ ایسا ہی اور بہت سی جگہ انجیل میں مسیح نے ایسا ہی کہا ہے +

۵۲ ملاحظہ ہو انجیل۔

۵۳و۵۴ پولوس کے خطوط سے پایا جاتا ہے۔ کہ اُسکے نزدیک شریعت لعنت تھی کیونکہ شریعت کے ذریعہ انسان مستوجب لعنت ہوا۔ اس لعنت سے مسیح کے خون نے انسان کو آزاد کیا۔ اور اسی خون پر ایمان لانے سے ہمیں شریعت پر چلنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ دیکھو فٹ نوٹ ۵۰ +

۵۵ لوتھر اور ایسا ہی دیگر معلمانِ مسیحیت کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ نجات تو مسیح کے خون پر ایمان لانے سے البتہ ہے۔ تو پھر شریعت پر چلنا یا اعمال بجا لانا ایک بیہودہ اور لاشے چیز ہے +

۵۶ جناب مسیح نے اپنے آپ کو کہیں کہیں ابن اللہ بطور مجاز کہا۔ اس ابنیت میں اوروں کو بھی شامل کیا جس سے مراد اسرائیلی محاورہ کے رو سے قربت الٰہیہ ہے۔ آج ہی وہی مجازی الفاظ حقیقت پر محمول کر دئیے گئے ہیں +

لاریب یہ آواز ترے منہ کی نہیں ہے — تثلیث کے منبر سے جو آج آئی صدا ہے

تُو نے تو میرے پیارے نبی قبر سے اُٹھ کر — برعکس ازیں اور ہی کچھ وعظ کیا ہے

ہر شعبہ تیرے عہد تک آغاز سے لیکر — ہر ایک نبی حاملِ اسلام[2] ہُوا ہے

مُوسٰے تھا۔ کہ یوشعؑ تھا سلیمانؑ کہ داؤدؑ — ہر ایک نے اسلام کو ہی پیش کیا ہے

تیرا بھی اسی پر میرے محبوب عمل[3] تھا — پھر اُنکی ہی تردید میں مُنّاد کھڑا ہے

قانُون وہ ہرگز بھی ترا ہو نہیں سکتا — پیگن کے پرستار نے جو وضع کیا ہے

کفارہ کی تثلیث کی۔ تاثیر عشاء[4] کی — واللہ تیری ذات سے نسبت بھی خطا ہے

یہ جملہ مسائل تو ہیں پیگن کے جنہیں آج — اک وجہِ موجّہ سے کلیسیا نے لیا ہے

---

[1] برق صاحب یہاں اسلامی عقیدہ نہیں بیان کرتے۔ بلکہ عیسائی عقیدہ کا ذکر کرتے ہیں جسکے رُو سے جناب مسیح دو دن کیلئے قبر میں رہے۔ اور پھر وہاں سے اُٹھے حضرت برق کا اشارہ یہ ہے۔ کہ اگر واقعہ صلیب کے بعد کوئی نیا انکشاف ہُوا تھا۔ تو چاہئے تھا۔ کہ قبر سے اُٹھ کر اس قسم کی تلقین جناب مسیح فرماتے۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا +

[۲و۳] اسلام سے مُراد خدا کے احکام اور اُسکی شریعت پر چلنے کے ہیں۔ قرآن شریف نے لفظ اسلام کو ان ہی معنوں میں استعمال کیا ہے ہر ایک نبی نے جناب آدم سے چل کر جناب مسیح تک اسی مذہب کی تلقین کی۔ چنانچہ جناب مسیح بھی اسی پر زور دیتے تھے۔ جب آپ فرماتے تھے۔ کہ شریعت کا ایک شوشہ بھی نہیں بدل سکتا۔ ملاحظہ ہو انجیل متی خطبہ کوہی +

[4] عشائے ربانی کا ذکر انجیل میں ہے۔ لیکن جناب مسیح کا یہ عقیدہ نہیں تھا۔ کہ شراب اور روٹی چکھتے ہی خدا کا گوشت اور خون کھانے والے کے جسم میں ہو جاتی ہے جس سے وہ گناہ سے نجات پا لیتا ہے۔ یہ پیگن کا عقیدہ تھا۔ ایسا ہی تثلیث اور کفارہ کے عقیدہ کو بھی جناب مسیح کی تعلیم سے کوئی تعلق نہیں۔

یعنی کہ تو اصنام پرستوں میں ہوئی مقبول[1] — یہ جرم کلیسا سے محبت میں ہُوا ہے

وہ عیب[2] نہیں عیب۔ جو ہو خوبی کی خاطر — اس تھیوری کو یورپ نے تبھی وضع کیا ہے

پرتو ہے اسی کا[3]۔ یہ تیرا چرچ نہیں ہے — یوں دین تیرا کیش سے متھرا کے جدا ہے

تھا روزِ عبادت میرے پیارے تیرا ہفتہ[4] — اتوار تو پیگن کے لئے روزِ دُعا ہے

ٹھیرایا تھا مشرق کو نہ تُو نے کبھی قبلہ — مذبح رُخ مشرق کسی شمسی[5] کی بنا ہے

یہ منک۔ یہ تن آئے ہیں متھرا کے بھون سے — ٹنشر[6] بھی تو سورج کی غلامی کا جُوا ہے

جس تخت پہ قیصر نے جگہ دی تجھے پیارے — واللہ وہ اسی پولوی چوپان[7] کی جا ہے

---

[1] قدیمی پاپاؤں نے جب دیکھا کہ کل لوگ پیگن مذہب کو عزت سے دیکھتے ہیں تو اُنھوں نے جناب مسیح کے مذہب میں پیگن تعلیم کو لا داخل کیا۔ یہ جو کچھ ہوا ازراہ محبت ہُوا۔ لیکن کُل کا کل پیگن مذہب مذہب کلیسیا میں آ داخل ہُوا +

[2] یہاں اُس نظریہ کی طرف اشارہ ہے۔ کہ کسی نیک نتیجہ کیلئے اگر بُرے ذرائع بھی استعمال ہوں تو وہ جائز ہیں۔ چنانچہ کلیسیا کا اور خصوصاً جسوائٹ لوگوں کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ چرچ کی عزت و رفعت کیلئے جو کچھ بھی اچھا یا بُرا ہو جائے۔ وہ سب صحیح ہے۔ بلکہ اُنکے ہاں تو یہ مسئلہ ہے۔ کہ گناہ کرو۔ تاکہ فضل نازل ہو۔ بد قسمتی سے یہ غلط عقاید من وجہٖ حضرت پولوس کی ہی تعلیم ہے جس نے گناہ کو جاذبِ فضل قرار دیا ہے +

[3] روایات مذہب متھرا مندرجہ صفحہ ۳۰ و ۷ کتاب ہذا کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مروجہ دین مسیحی اور دین متھرا ایکدوسرے کے مثنیٰ ہیں۔ گو بظاہر ایکدوسرے سے بالکل جُدا ہیں +

[۴ تا ۷] ان چاروں اشعار میں جن واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ وہ قسطنطین کے وقت ہوئے جو چوتھی صدی میں قیصر روما تھا۔ وہ سورج پرست تھا۔ متھرا کا پرستار جس کا مظہر اپولو تھا جسے

پیدائش والا کا نہیں روزِ کرسمس[۱۵] یہ روز تو سورج کے جنم کا بخدا ہے
کب گود میں لائی تھی تجھے ملکۂ جنّت ہورس ہی کا نقشہ یہ کلیسا میں کھنچا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۸- قیصر مذکور اپنا مُربی سمجھتا تھا- مذہب مِتھرا یا اپالو کی پرستش کا دن اتوار تھا- اُنکے مذبح کا رُخ مشرق یعنی جائے طلوعِ آفتاب کی طرف ہوتا تھا- اپالو کے مندر میں مُنک اور نَن ہوا کرتے تھے- اپالو کو راعی یا چوپان کہا کرتے تھے- یہ ظاہر ہے کہ جنابِ مسیح بروز اتوار سبت کیا کرتے تھے نہ اُنکے معبد میں کوئی مذبح مشرق کی طرف ہوتا تھا- قیصر قسطنطین نے تو محض سیاسی اغراض سے عیسائیت کو قبول کیا تھا ورنہ دلی اپالو کا پرستار تھا- اسلئے اس نے مذہبِ قدیم کو تو قائم رکھا اس مذہب کی رسومات طرزِ عبادت حتّٰی کہ قدیمی روزِ عبادت کو بھی قائم رکھا صرف یہ کیا کہ اپولو کے نام کی جگہ جناب مسیح کا نام رکھ دیا- اشعار بالا میں جو نقشہ کا اشارہ ہے یہ مُنک اور نَن جو سر پر چاند کے بال گول ٹکیہ کی شکل میں منڈاتے تھے- چنانچہ آجکل کے منک اور تارکوں کے سر پر نظر آتا ہے- یہ دراصل قرصِ آفتاب کی یاد میں تھا یعنی یہ سورج کی غلامی کا نشان تھا- پُرانی شمسی رسم ہے نقشہ سے مُراد یہ سر کی ٹکیا ہے +

۱۵ چوتھی پانچویں صدی تک جنابِ مسیح کی ولادت کا دن ۲۵ دسمبر نہ سمجھا جاتا تھا- بعض کے نزدیک یہ تاریخ ماہ فروری میں ہوا تھا- چنانچہ یونانی کلیسیا کا ابتک یہی خیال ہے- سنہ ۵۳۰ء میں سیتھیا کا ایک راہب ڈایونیس آکسیگیز نام جو منجم بھی تھا تاریخ ولادت مسیح کی تحقیق کیلئے مقرر ہوا- انجیل کے سوا اُس وقت کسی کتاب میں جناب مسیح کا ذکر نہ تھا- انجیل خود اس معاملے میں خاموش تھی- ہاں صدیوں سے ۲۵ دسمبر کی تاریخ سورج کے مختلف مظہروں کی تاریخ ولادت ہر جگہ سمجھی جاتی تھی، راہب مذکور نے جہاں اور بیسیوں باتیں سورج پرستی کی اپنے مذہب میں دیکھیں وہاں مسیح کی ولادت کی تاریخ بھی وہی رکھ دی بیچارے زمانے میں کیتن خیر جیسے فاضل مصنف نے اپنی تصنیف "حیاتِ مسیح" میں اس امر کو تسلیم کیا لیکن مقامِ حیرت تو یہ ہے کہ جان بوجھ کر کیوں مسیح جیسی مقدس ہستی کا روزِ ولادت کفار کے تیوہار کے دن منایا جاوے- قربان جاؤں آنحضرت صلعم کی دور بینی پر کہ آپنے طلوع اور غروبِ آفتاب پر کسی قسم کی نماز پڑھنی منع فرمائی- تاکہ اسلامی نماز پر شمس پرستی کا شک نہ ہو +

اے عجزِ مجسم۔ تو کہے "الفا"، "امیگا"[۱] ان لفظوں کو یونان میں مکیں نے کہا ہے

تو اور، یہ الفاظ تفاخر کے غلط ہے تو اور یہ خود بینی کی تقریر۔ خطا ہے

اِک بندہ خالق ہوں پر اک شے کا ہوں محتاج کہنا ہی رہا۔ آپ کو جب تک تو جیا ہے

میکسیکو میں وہ ابنِ جملمن کے لئے تھا جو نام کتیسا[۲] میں ترا وضع ہوا ہے

پہلو ٹھا وہاں بی بی ڈمیٹر[۳] تے جنا تھا جس جا پہ ولادت کا تری چرچ بنا ہے

افسانۂ مصلوبیت[۴] و بعثت والا ہے نقل کی تصویر۔ سلے رنگ نیا ہے

اِک زندگی نو کا چلیپا میں تھا نقشہ جو قبل ترے مصر کا معبود رہا ہے

یعنی کہ خطِ میانہ[۵] سے سورج کا گزرنا اس طرح کہ سمجھیں اسے سولی پہ چڑھا ہے

خطِ استوا

۱؎ مطلب یہ ہے۔ کہ جناب مسیح جیسا منکسر المزاج انسان ایسے الفاظ تفاخر نہیں کہہ سکتا۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۵۷ +

۲؎ ملاحظہ ہو صفحہ ۵۱ لغایت ۵۳ +

۳؎ ملاحظہ ہو صفحہ ۵۷ +

۴؎ ملاحظہ ہو صفحہ ۵۹ +

۵؎ خطِ استوا پر بتاریخ ۲۳ مارچ جب سورج آتا ہے۔ تو اس کا تخیلہ مدار صلیب کی شکل + بناتا ہے۔ وہاں سورج دو دن ٹھیر جاتا ہے۔ اسی موقع پر شمسی لوگ سمجھتے تھے۔ کہ دیو ظلمت نے خداوند نور کو پکڑ لیا ہے ایسی

پھر ساتھ ہی سرسبزئ الارض کا عالم　　　مردہ تھی زمیں جسمیں نیا خون پھرا ہے

پولوس نے بھی زندگئ نو کا نمونہ　　　لے شائبہ مصری ہی چلیپا سے لیا ہے

کتنے ہی تیرے نام ہیں۔ اے پیارے مسیحا　　　جن سے کہ تجھے چرچ[2] نے موسوم کیا ہے

"الکلمہ" میں فیلو[3] نے مگر تجھ سے بھی پہلے　　　کلمہ ہی کی تشریح میں ان سب کو لیا ہے

فیلو کا۔ یا اسکندریہ کا یہ تفلسف　　　یوحنا نے انجیل[4] میں جس طرح لکھا ہے

یعنی کہ کلام آیا ہے ہر چیز سے اول　　　یہ پہلے ہی۔ بعد اسکے بنا۔ جو بھی بنا ہے

ہر باکرہ زادہ میں جو تھا وصفِ تمیز　　　وہ تیرے فسانہ میں بصد فخر لکھا ہے

یعنی کہ خصائص جو تھے ہر ابنِ خدا کے　　　چن چن کے کلیسیا نے اُنھیں جمع کیا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۱ - موقع کی یاد میں شمسی مظاہر کا اس تاریخ پر مصلوب ہونا اُن کا دو دن قبر میں رہنا پھر تیسرے دن (اتوار) اُٹھنا سمجھا گیا۔ یہی وہ دن ہے جس کے بعد زمین پر موسم بہار پیدا ہوتی ہے۔ اور زمین پر سرسبزی لہلہاتی ہے۔ گویا سورج دیوتا مصلوب ہو کر دنیا کو اپنے خون سے نئی زندگی بخشتا ہے۔ ایرانی لوگ آج بھی نوروز اسی تاریخ کو مناتے ہیں۔ ایسٹر کے لفظی معنے بہار کے ہیں +

[2] چرچ نے جو بیس ایک نام جناب مسیح کے تجویز کئے ہیں (دیکھو صفحہ ۸۷) وہ سب کے سب حکیم فائلو نے اپنی کتاب "الکلمہ" میں کلمہ کی تشریح میں اس نام کی دیئے ہیں۔ (صفحہ ۸۵ تا ۸۷) جہاں میں نے کتب کا حوالہ دے دیا ہے۔ وہاں حکیم مذکور نے کلمہ کے یہ نام تجویز کئے ہیں۔ عربوں نے ان ساری کتابوں کو الکلمہ میں جمع کر دیا ہے +

[3] دیکھو صفحہ ۸۲ تا ۸۴ +

[4] دیکھو صفحہ ۵۱ +

چونکہ کلیسوی تعلیم فطری تقاضوں کی ہالک ہے،
اُنکی تعدیل و تہذیب کی بجائے اُن تقاضات کو مارتی ہے۔ اسلئے
اہلِ مغرب کو اس وقت ایسی تعلیم سے انکار ہو رہا ہے،

خادم نیر سے اس کینہ کے ہوں کیوں نہ مخالف — جس دین کے اسرار کا یہ پول کھلا ہے:
گھبرائے بناوٹ سے نہ کیوں عاشقِ فطرت — بیگانی ہر اک بات حقیقت سے جدا ہے
مغرب کے ہر اک گوشہ سے اب آتی ہے آواز — جو شارحِ فطرت ہے وہی دینِ خدا ہے
اس دین سے کس طرح تنفر نہ ہو جس نے — فطرت کے تقاضوں کو پسِ پشت کیا ہے
فطرت کا پرستار۔ پرستار کلیسا — مہمل سی یہ اک بات ہے یعنی صدا ہے
دھوکے میں رہا دیر تک اس جہل سے مغرب — اِک پردۂ غفلت تھا جو اب آکے اُٹھا ہے
وہ کون سے ہیں فطرتِ انسان کے تقاضے — پُورا جنہیں تثلیث کے مذہب نے کیا ہے
دُنیا کا ہو۔ یا دین کا القصہ کوئی ہو — ہر ذوقِ سلیمہ کے مخالف یہ چلا ہے
دولت کی ترقی ہو۔ کہ ہو علم و ہنر کی — اس واعظِ تثلیث کو ہر اک سے ایا ہے
کہتا ہے کہ اس نفس کی تسکین کی خاطر — شیطان نے دُنیا میں اُنھیں جمع کیا ہے

وہ سلطنتِ حق میں نہ جا پائیگا جس نے
کچھ جسمی تقاضوں میں کبھی حصہ لیا ہے

لیکن ہے وہ کیا بات جو اُن سے نہ ہوئی ہو
قسیسوں نے رہبانوں نے سب کچھ ہی کیا ہے

کیا مٹتے خداداد قویٰ سے ۔ ہاں مگر اُن پر
تہذیب نہ ہونے نے بُرا رنگ دیا ہے

عیسائیت از بس کہ ہے فطرت کے مخالف
اس واسطے مغرب بھی اُسے چھوڑ رہا ہے

۱۲۳ھ اس وقت تو عقائد عیسائیت کے نتائج کا اعمال پر اثر نہیں لیکن آج سے ایک صدی پہلے ہی تک جو چیز بھی جسمی تقاضات کی تسکین کے لئے ضروری تھی اُسے نفرت سے دیکھا جاتا تھا۔ اس طرزِ عمل کا ذمہ دار یہ عقیدہ ہے کہ مرد و عورت کے تعلقات سے انسان کے اندر گناہ کا مادہ پیدا ہو گیا ہے۔ اسلئے جسم اور کل جسمی تقاضے قابل نفرت ہیں۔ یہ تو خیر کلیسیا کی بنائی ہوئی باتیں ہیں۔ لیکن جناب مسیح کی تعلیم میں کوئی امر جذبات فطریہ کی تہذیب و تعدیل کا نظر نہیں آتا۔ اس لئے کلیسیا نے ہر طبعی تقاضے کو برا سمجھا۔ یہی وجہ ہے کہ کیتھولک معلمانِ مذہب شادی نہیں کرتے۔ ان خیالات کا اثر پندرھویں سولھویں صدی تک یورپ میں یہ ہوا۔ کہ ہر ایک قسم کی تمدن کی راہیں وہاں مسدود ہو گئیں۔ حتّے کہ زمین تک غیر آباد پڑی رہی۔ ستارھویں صدی کے آغاز میں یورپ کلیسوی تحکم سے آزاد ہو گیا۔ اُسی تاریخ سے مغرب میں آثار تمدن نظر آنے لگے۔ ہمارے زمانے میں تو اس غیر طبعی تعلیم سے خود ارکین چرچ ابا کرنے لگے۔ اور ایام وسطیٰ کے رہبانوں نے تقاضاتِ جسم سے تنگ آکر خلوت میں جو چاہا کیا۔ اسی امر کی طرف ہمارے قابل شاعر نے اشعار بالا میں اشارہ کیا۔

اگر کلیسوں کی تعلیم پر بحث کا تعلق جناب مسیح کی تعلیم سے نہیں جیسا کہ آج مانا جا رہا ہے۔ تو کیوں اس کو جزو مذہب قرار دیا جاتا ہے

عیسائی عزیزوں سے تمنا یہ ادب ہے، یہ خدمت والا میں جو کچھ عرض کیا ہے
آپ اس پہ اس انداز سے فرمائیں توجہ جس درد سے یہ مختصراً عرض کیا ہے
تعلیم اگر حضرت عیسیٰ کی نہیں یہ رہبانوں کی کونسل نے اسے وضع کیا ہے
تو واقعی یہ قابلِ رد ہے۔ اسے چھوڑ دو ظلمت ہے، اسے روشنی کہنا بھی خطا ہے
عیسائیت افسوس یہ ہرگز بھی نہیں ہے سورج ہے جسے ایک جہاں پوج رہا ہے
شماسی ہی آدابِ عبادت ہیں تمہارے اک شاہد عادل کی طرح سبت کھڑا ہے
سورج کے پجاری ہیں۔ یہ عیسائی نہیں ہیں ہر حلقۂ ذی علم سے آتی یہ صدا ہے
تھے ذیل میں جس کیش کے مذکور سیانے کہتے ہیں اسے آج کہ دامِ جہلا ہے
دس پانچ برس پہلے جو تھا مرجع عالم ہر صاحبِ فہم آج اسے چھوڑ رہا ہے

ا ۵ جناب مسیح ہفتے کے دن سبت مناتے تھے۔ سورج کی پرستش کا دن اتوار تھا۔ قسطنطین نے پرستش اپولو کے دن کو سبت میں منتقل کر دیا +

اسرار کا سمجھا تھا خزانہ جسے مغرب — پیگن کی رسومات کا اک بکس کھلا ہے
کیوں اس کی روایات بشپ چھوڑ رہے ہیں — بے وجہ نہیں کچھ تو ہے۔ یہ غور کی جا ہے
ہاں تو یہ سچ ہے اسمیں نہ معمّہ یہ ہے کوئی — سیدھی سی یہ اک بات ہے اب راز کھلا ہے
پیگن کی ہی تعلیم ہے تعلیم کلیسیا — صد ہا برس اوّل جو مسیحا سے ہوا ہے
مذہب سے مسیحا کے اُسے کچھ نہیں نسبت — وہ نور ہے۔ یہ نار۔ یہ ظلمت وہ ضیا ہے
خوبی ہے وہ۔ یہ عیب وہ توحید۔ یہ تثلیث — وہ حسن ہے۔ یہ قبح ہے یہ دکھ وہ دوا ہے
اندھیر ہے اتنی بھی توجّہ نہیں دیتے — کیا پہلے بھی ایسا کسی مرسل نے کہا ہے
بھگوان کے اوتار کی ایجاد کا سہرا — اک ہندی مہا پرش کے ہی سر پہ رہا ہے
عیسےٰ نہیں پولوس ہے بنیاد کلیسا[1] — بشپوں نے بھی اس بات کو اب مان لیا ہے
پھر اس پہ یہ طرّہ ہے کہ مغرب کے مفتّش — یہ بھی کہے جاتے ہیں کہ تحقیق ہوا ہے
نقّادوں کے نزدیک غلط ہے وہ نوشتہ — پولوس کے جو نام پہ مشہور کیا ہے
پولوس تو اک مرد یہودی تھا پر اسمیں — یونانی روایات کا انبار لگا ہے
یہ تو کسی یونانی مصنّف کی ہے تصنیف — انداز بیاں سے مترشّح یہ ہوا ہے

---

[1] سنہ ۱۹۱۵ء میں جو کانفرنس کیمبرج میں ہوئی اسمیں بہت سے بشپ اور ڈین موجود تھے وہاں تسلیم کیا گیا۔ کہ کلیسیا کا بانی مسیح نہیں بلکہ پولوس ہے +

یونانی ہی تحریر کا سب رنگ ہے اس میں ۔۔۔ یونانی روایات سے ہی اُسکی بنا ہے

پولوس کے عیسےٰ کو جو دیکھو تو یقیناً ۔۔۔ کھل جائیگا انجیل کے عیسےٰ سے جدا ہے

پیرا ہی اسے قول عزیزو نہ سمجھنا ۔۔۔ یورپ میں اسی رائے پہ ہے جمع فضلا ہے

وہ معجزے وہ خطبے وہ اندازِ مسیحی ۔۔۔ پولوس نے اُن کا بھی کہیں نام لیا ہے

کچھ سوچو تو اسباب[1] میں کیا راز ہی پیارو ۔۔۔ کیوں جیمس نے پطرس نے خلاف اسکے کیا ہے[2]

یہ دونوں بھی تو رُوحِ خداوند سے پُر تھے ۔۔۔ پولوس کی اسباب میں تخصیص ہی کیا ہے

پولوس کے اقوال کئی ایسے پڑھو گے ۔۔۔ خود جن کو اُردپا نے بھی مردود لکھا ہے

کیا رُوح کی امداد کا ہے کچھ اثر اس میں ۔۔۔ جو طبقۂ نسواں کیلئے اس نے کہا ہے

مذکور ہے جو آمدِ عیسےٰ کی روایت ۔۔۔ تورات سے پولوس نے اتنا ہی لیا ہے

باقی جو ہے سب لائقِ رد[3]۔ قابلِ تردید ۔۔۔ اک مصلحتِ خاص سی جس کو گھڑا ہے

پولوس کو ترجیح مسیحا پہ نہ دیجے ۔۔۔ وہ مانئے جو حضرت عیسےٰ نے کہا ہے

ف۱ کونٹ ٹالسٹائے مشہور عیسائی فلسفی نے مسیح انجیل کو اس مسیح سے جدا پایا جس کا نقشہ ادبیات پولوس میں ہے۔ جس پر کونٹ نے آخر الذکر کو ترک کر دیا +

ف۲ اور ایسا ہی دیگر حواری پولوس کی بہت باتوں کے مخالف تھے +

ف۳ ادبیات پولوس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے مسیح کی تصویر کھینچنے میں صرف اس اسرائیلی پیشگوئی کو لیا ہے جس کی رو سے اسرائیل میں کسی مسیح نے آنا تھا۔ یہ بات تو پولوس نے اسرائیلی روایات سے لی۔ یونانی خداؤں کے متعلق جو مشہور تھا اس کے مطابق مسیح کا نقشہ کھینچ دیا +

افسوس یہ تعلیم - اور اس پاک نفس کی | باز آؤ اگر آپ میں کچھ خوفِ خدا ہے
یہ شمس پرستوں کے تعامل کا ہے چربہ | سورج ہی کی رفتار سے یہ نقش بھرا ہے

فریاد بجناب سیّدنا مسیح علیہ السلام

اے حضرت مریم کے دلارے ! مرے پیارے | آ دیکھ ترے دین پہ کیا وقت پڑا ہے
پیگن کا ترے کیش پہ صدیوں سے ہے قبضہ | اپولو[51] کا۔ مذہب پہ ترے رنگ چڑھا ہے
رہبانوں نے افسانہ غلط قصّۂ آئی سس[52] | نادانی سے صدیقہ کے سر تھوپ دیا ہے
بیتی جو ڈمیٹر[53] پہ - جو کچھ نیتھ[54] پہ گذری | جو واقعہ کہ سچ جھوٹ حلمپن[55] کا ہوا ہے
القصہ ہر اک باکرہ کا وصف خصوصی | مریم کے لئے مصلحتاً خاص کیا ہے
تعلیم کلیسیا سے یقیناً تو بری ہے | اس کو تو جدیدین[56] نے بھی مان لیا ہے

---

[51] دیکھو صفحہ ۵۲ +

[52، 3، 4، 5] آئی سس (صفحہ ۴۹) ڈمیٹر (صفحہ ۴۹) نیتھ (صفحہ ۴۹) حلمپن (صفحہ ۴۹) یہ چاروں بیبیاں باکرہ سمجھی گئیں ۔ اور حالت بکر میں انہوں نے جو بچے ۲۵ دسمبر وغیرہ کو جنے وہ مختلف ممالک میں ابن اللہ کہلائے +

[56] جدیدین سے مراد فرقہ موڈرنسٹ ہے ۔ جس کے اراکین کئی بشپ ہیں وہ تعلیم کلیسیا کے بڑے حصے کو پیگن تسلیم کرتے ہیں +

تسلیم ہے حسبٹن سے محقق کو بھی اب تو — شیطان نے بیشک اسے تعمیر کیا ہے
ہیں گرچہ یہ ہسپانوں کی کونسل کے عقائد — پر ہیں تو تیرے نام سے یہ طلسم بڑا ہے
لاریب یہ پیگن ہی کی اِک فرم ہے آقا! — پر بورڈ پہ تو صاف تیرا نام لکھا ہے

۵ پہلی صدی عیسوی کے اخیر میں ہی جناب مسیح کی شخصیت کے متعلق مختلف عقائد نے مختلف فرقے پیدا کئے جسمیں چار فرقے مشہور تھے نسطوری ریبوزنیں۔ آئرین ریبیرہیٹولائٹ (قائل الوہیت مریم) ایسے ہی کئی ایک اور فرقے تھے۔ جن کا فیصلہ آخر کار تلوار نے کیا۔ ان ہی فرقوں کے عقائد مختلفہ کے فیصلے کیلئے راہبوں کی مختلف کونسلیں بیٹھیں مثلاً نیتھ   میں ایک کونسل تھی ایک اور کونسل نے وہ عقاید تجویز کئے جو آج دعائے عمومی میں راہب اتھنوشیا کے نام سے مشہور ہیں۔ الغرض جس قدر عقائد کلیسا کے ہیں۔ وہ کونسلوں کے تجویز کردہ ہیں۔ جناب مسیح کے تعلیم کردہ نہیں۔ آج ان عقاید میں بھی ترمیم ہو رہی ہے۔ پھر کیوں ان لوگوں کی باتیں مانی جائیں +

اسی طرح انتخاب اناجیل کا فیصلہ بھی نہایت لطف انگیز ہے۔ یہ تو مسلم ہے کہ ان چار اناجیل کے علاوہ کوئی دو درجن اناجیل اور بھی تھیں جنہیں اپوکرفہ کہا جاتا ہے۔ ان میں سے انتخاب کرنے کیلئے کہ خدا کا کلام کون ہے ایک کونسل بیٹھی انسانی فیصلہ تو درست نہ تھا بہت بحث مباحثہ کے بعد فیصلہ قرار دیا گیا کہ کل اناجیل

تجھ سے کوئی نسبت نہیں ہیگن کو یہ مانا پر قبضہ اسی کا تیرے مذہب پہ جما ہے
تثلیث کے گرداب سے نکلے یہ دُعا کر
بیڑا تیری اُمّت کا بُری طرح پھنسا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۸۔ ہم کو ابتدائی شب میں ایک منبر پر رکھ دیا جائے اور کل راہب جو اس کونسل میں شریک تھے اپنے اپنے کمروں میں جا کر خداوند مسیح سے کلامِ خُدا کے انتخاب کے لئے دُعا کریں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ صبح کو جب وقت مقررہ پر کُل کے کُل راہب آئے۔ تو خداوند کا معجزہ ظہور پذیر ہوا۔ یہ چار اناجیل تو منبر پر پڑی ہیں باقی کل زمین پر گری پڑی تھیں۔ اس تاریخ سے اناجیل اربعہ تو خدا کا کلام سمجھی گئیں باقی مسترد ہو گئیں اس وقت تو یہ معجزہ سمجھا گیا ہو گا لیکن آجکل کا زمانہ اس واقعہ کی کسی اور طرح تشریح کرتا ہے۔ ان مُسترد شدہ اناجیل سے مروجہ عقاید مسیحیت کی تردید بھی ہوتی ہے ÷

تمّت

رسالہ اسلامک ریویو کی خدمات جلیلہ

اس اسلامی مجلہ نے گذشتہ سالوں میں اسلام کو اپنی اصلی شکل و صورت میں نہایت ہی جوانمردی دلیری۔ بیباکی اور جرات سے پیش کیا ہے۔ اس نے عیسوی مذہب کے تاروپود کو بکھیر کر رکھدیا ہے عیسائیت کی کمزوریوں و لغزشوں کو طشت از بام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے اسلامی رسالہ اسلام کے تمام پہلوؤں پر احسن طور سے روشنی ڈالتا رہا ہے۔ اس نے مغرب میں عیسوی منادوں کے دانت کھٹے کر دیئے ہیں۔ ان کے کذب و دجل کی قلعی کھولدی ہے اب ان میں حملہ کی سکت نہیں۔ اس رسالہ نے اہل مغرب کے دل سے تمام غلط فہمیوں اور شکوک کو رفع کر دیا ہے جو اسلام کے متعلق اہل مغرب کے دلوں میں سالہاسال سے گڑی چلی آتی تھیں۔ اور جو اسلام کے خوبصورت و دلربا چہرہ کو بدنما کئے ہوئی تھیں۔ رسالہ ہذا کے مسلسل مطالعہ سے اہل مغرب محاسن اسلام پر فریفتہ ہو رہے ہیں۔ اسکی اخلاقی و روحانی طاقت کو محسوس کر رہے ہیں۔ اسلامک ریویو کی مفت اشاعت مذہب اسلام کی نشر و اشاعت کی آسان سے آسان اور کم خرچ ترکیب ہے۔ مسجد ووکنگ کے چند کارکنوں کو اسقدر عظیم الشان کامیابی کبھی حاصل نہ ہوتی۔ اگر وہ اس طرح ریویو کی مفت اشاعت نہ کرتے۔ کیونکہ آجکل تقریر کی بجائے تحریر ہی تبلیغی مقاصد کے حصول کے لئے بہترین و آسان آلہ کار ہے۔ ہم میں اس قدر مالی استطاعت نہیں۔ کہ ہر ایک مقام پر مشنری بھیج سکیں۔ لیکن ایک جگہ بیٹھ کر ہم اسلامک ریویو کے ذریعہ دنیا بھر میں تہلکہ مچا سکتے ہیں اسلامک ریویو تقریباً دنیا کے ہر گوشہ میں پہنچتا ہے لیکن ایک محدود تعداد حلقہ کے اندر کیا ہمارے بھائی اس ضرورت حقہ کو محسوس کرینگے + سالانہ چندہ ۱۰/۸ مفت تقسیم صہ

خواجہ عبد الغنی سکرٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ عزیز منزل لاہور

اپنے نتائج تبلیغ میں دو بے نظیر کتابیں

جن شاندار نتائج نے مُصنّف کو تمدّنِ اسلام کے لکھنے پر مائل کیا

یعنی

ینابیع المسیحیّت و نبوّت کا ظہورِ اتم

مصنفۂ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بانئ مسلم مشن ووکنگ

یہ وہ دو کتابیں ہیں جنمیں سے اگر اول الذکر کتاب نے عیسائی مذہب کا کامل انہدام کیا۔ تو دوسری کتاب نے مغربی قلوب میں اس انہدام کے بعد تعمیرِ اسلام شروع کی۔ اگر ینابیع المسیحیت نے یہ ثابت کر دیا کہ مروجہ عیسائیت کا ایک بھی ایسا عقیدہ نہیں مثلاً ابنیت الوہیت و کفارہ مسیح آدی ایک بھی ایسی رسم نہیں مثلاً عشائے ربّانی و دیگر اجزائے سکرامنٹ ایسی ہی ان کا ایک بھی تہوار مثلاً کرسمس ایسٹر۔ گڈ فرائڈے وغیرہ جو سب کے سب مسیح سے صدیوں پہلے مُروّجہ مذہب کفریات میں ہو بہو موجود نہ تھے۔ حتّٰے کہ جناب مسیح کے بیس ایک نام جو کلیسیا نے تجویز کئے ہوئے ہیں اور ایسا ہی وہ کلمات جو انجیل نویسوں نے جناب مسیح کی طرف منسوب کئے ہیں۔ وہ سب کے سب قبل از مسیح کنواری زادہ دیوتاؤں کے نام تھے۔ اور وہ الفاظ بھی اُن ہی کے مُنہ سے نکلے ہوئے ہیں۔ گویا مُروّجہ عیسائیت مذہب کفریات کا ایک کامل چربہ ہے۔ یہ بدیہہ ہے۔ کہ یہ واقعات جن کو مُستند طریق پر ثابت کیا گیا ہے۔ اور جو آج سات برس تک لاجواب رہے ہیں وہ عیسائیوں کو اپنے مذہب سے بیزار کرنے کیلئے کافی تھے۔ چنانچہ مغرب میں یہ امر شروع ہو گیا۔ اس انہدامی کتاب کے بعد فاضل مصنف نے ضروری سمجھا۔ کہ ایسے لوگوں کے سامنے حضرت محمدؐ عربی کو پیش کیا جائے چنانچہ آپ نے